ضیاء القرآن

سورۃ الاحزاب

ضیاء الامت

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وننزل من القرآن ما هو شفاء ورحمة للمؤمنين

ضیاء القرآن

سورۃ الاحزاب

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی ○ پاکستان

Marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	تفسیر سورۃ الاحزاب (ضیاء القرآن)
مفسر	ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ
	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
سال اشاعت	مارچ 2015ء
تعداد	دو ہزار
کمپیوٹر کوڈ	QT13

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ فون:۔ 37221953 فیکس:۔ 042-37238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 37247350۔ فیکس 042-37225085

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔ 021-32212011-32630411۔ فیکس:۔ 021-32210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

Website:- www.ziaulquran.com

Marfat.com

بسم الله الرحمن الرحيم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تعارف سورۃ الاحزاب

نام: اس سورۂ پاک کا نام الاحزاب ہے۔ جو اس سورت کی آیت نمبر ۲۰ میں مذکور ہے۔ نیز اس میں غزوۂ احزاب کا تفصیلی تذکرہ ہے، جو نتائج کے اعتبار سے ایک فیصلہ کن جنگ تھی۔ اس لیے اس سورت کو اسی نام سے معنون کیا گیا۔ اس میں نو رکوع، تہتر آیتیں اور ایک ہزار دو صد اسی کلمات اور پانچ ہزار سات صد نوے حروف ہیں۔

زمانۂ نزول: یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی (1)۔ اس میں جن واقعات کا تذکرہ ہے یعنی غزوۂ احزاب (2)، بنی قریظہ (3) اور نکاحِ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا (4)، وہ اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ اس کا نزول ۵ ھ میں ہوا۔

مضامین: اس سورۂ مبارکہ میں تاریخِ اسلام کے اہم واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ عرب کے جاہلانہ رسم و رواج میں دوررس اور انقلابی نوعیّت کی اصلاحات کی گئی ہیں۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خانگی زندگی کے کئی گوشوں کو آشکارا کیا گیا ہے۔ ازواجِ مطہرات اور خاندانِ رسالت کو خصوصی ہدایات اور ارشادات فرمائے گئے ہیں۔ مسلم معاشرہ میں مرد و زن کے آزادانہ اختلاط کو روکا گیا ہے۔ پردہ کے نظام کو بروئے کار لانے کے لیے ابتدائی ہدایات دی گئی ہیں۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاتم النّبیین ہونے کا اعلان فرما دیا گیا ہے۔ اِن تمام اُمور نے اس سورت کو بڑی اہمیّت بخش دی ہے۔ ہر چیز کا تفصیلی بیان تو اپنے مقام پر آئے گا، اس تعارف میں صرف اجمالی اشارات کیے گئے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ قارئینِ کرام سورت کا مطالعہ کرنے سے پہلے ان امور کو اپنے ذہن میں محفوظ کر لیں اور جب ان کے تفصیلی ذکر کے مقام سے ان کا گزر ہو تو وہ بے خبری میں ہی نہ گزر جائیں بلکہ وہاں توقّف کریں، غور و تدبّر کریں اور قرآنِ کریم کی روشنی سے اکتسابِ نور کرتے ہوئے آگے بڑھیں۔

1۔ روح المعانی، جلد 21، صفحہ 142
2۔ السیرۃ النبویۃ لابن کثیر، جلد 3، صفحہ 180
3۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 250
4۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 277

Marfat.com

اس سورت کے آغاز میں عہدِ جاہلیت کی رسوم و عادات پر ضربِ کاری لگائی گئی ہے۔ لیکن اس سے پہلے یہ فرمادیا کہ بندۂ مومن پر لازم ہے کہ اپنے خداوندِ ذوالجلال کے ہر حکم کی بے چون و چرا تعمیل کرے اور اگر ایسا کرتے ہوئے اُسے لوگوں کی ملامت کا ہدف بننا پڑے یا لوگوں کی برہمی اور مخالفت کا سامنا کرنا پڑے تو ذرا نہ گھبرائے بلکہ اپنے ربِ کریم پر توکّل کرے اور اپنے سارے کام اس کے سپرد کردے اس سے بہتر کارساز اور کون ہوسکتا ہے؟ ساتھ ہی یہ نکتہ بھی بیان کردیا کہ دل ایک ہی ہوتا ہے۔ یا اس دل میں دنیا اور اہلِ دنیا کی محبت خیمہ زن ہوگی یا خدا کی بندگی کا جذبہ اپنا پرچم لہرائے گا۔ ان دو میں سے ایک کا انتخاب ناگزیر ہے۔ اگر انسان کے پہلو میں دو دل ہوتے تو ممکن تھا کہ ایک دل میں خدا اور دوسرے میں دنیا کو وہ جگہ دے دیتا۔ اور بیک وقت دونوں کشتیوں میں سوار رہ سکتا۔ لیکن دل صرف ایک ہے۔ اب یہ تمہاری مرضی چاہے اسے بیت اللہ بناؤ۔ چاہے اسے دنیا کی آلائشوں کے سپرد کردو۔

اس اثر آفرین اور دلنشین تمہید کے بعد عہدِ جاہلیت کی دو رسموں کا قلع قمع کردیا۔ اس وقت یہ رواج تھا کہ اگر کسی کی زبان سے اپنی بیوی کے بارے میں یہ لفظ نکل جاتے کہ تُو میرے لیے میری ماں کی طرح ہے تو وہ ہمیشہ کے لیے اس پر حرام ہوجاتی۔ یہ بالکل لغو بات تھی۔ صرف زبان ہلا دینے سے ایک عورت اس کی ماں کیسے بن سکتی ہے؟ اس لیے اس رسم کو باطل قرار دیا۔ لیکن بیوی کو ماں کہنا بھی پرلے درجے کی حماقت ہے اس لیے ایسا کہنے سے بھی روک دیا اور اس قسم کی غیر ذمہ دارانہ گفتگو کرنے والے پر کفارہ ادا کرنا لازم قرار دے دیا۔ تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔

دوسرا رواج ان میں یہ تھا کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے بیٹے کو اپنا متبنّٰی بنالیتا تو وہ ہر لحاظ سے اس کا حقیقی بیٹا شمار ہوتا۔ حقیقی بیٹے کے تمام حقوق اور سب مراعات اسے حاصل ہوجاتیں۔ وہ وراثت میں حصہ دار بن جاتا۔ اس کی بیوی متبنّٰی بنانے والے پر حرام ہوجاتی۔ گھر کی مستورات کے ساتھ اس کا خلط ملط حقیقی بیٹے کی طرح بے تکلّفانہ اور بے حجابانہ ہوتا۔ یہ قبیح رسم طرح طرح کی حق تلفیوں اور اخلاقی قباحتوں کا سبب بن کر رہ گئی تھی۔ متوفّی کے حقیقی وارث جدی جائیداد سے محروم ہوجاتے اور ایک اجنبی لے پالک سب کچھ ہڑپ کر جاتا۔ ایک اجنبی نوجوان بے حجابانہ، وقت بے وقت جب آنے جانے لگتا تو اس طرح کئی اخلاقی قباحتیں جنم لینے لگتیں۔ اس لیے ضروری تھا کہ اس قبیح رسم کی بیخ کنی کردی جاتی۔ لیکن صدہا سال سے یہ رسم چلی آرہی تھی۔

Marfat.com

اس کی جڑیں وہاں کی سوسائٹی میں بڑی گہری ہو چکی تھیں۔ لہٰذا ناگزیر تھا کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود عملی طور پر اس رسم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتے۔ چنانچہ حضرت زید جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبنّٰی تھے، ان کی زوجہ حضرت زینب سے بعد طلاق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نکاح فرما کر اس قبیح رسم کا خاتمہ کر دیا۔ اگرچہ بدفطرت لوگوں نے طوفانِ بدتمیزی برپا کیا، لیکن حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آفتاب سے تابندہ تر زندگی اور سیرت کے سامنے وہ فتنہ اپنی موت آپ مر گیا۔

غزوۂ احد میں گھاٹی کے تیر اندازوں کی فروگزاشت کے باعث مسلمانوں کو سخت جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ کفارِ مکہ کے دلوں میں اپنی بالادستی کا خیال جم گیا۔ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں۔ صحرائی بدو قبائل نے بھی جب مسلمانوں کے جانی نقصانات کا چرچا سنا تو انہوں نے بھی شرارتیں شروع کر دیں۔ مدینہ طیبہ میں یہودیوں کے جو قبائل، بنی نضیر اور بنی قریظہ آباد تھے باوجود دوستی کے معاہدوں کے وہ بھی مسلمانوں کو آنکھیں دکھانے لگ گئے۔ مسلمانوں کے ایک دستہ نے لاعلمی سے بنی عامر کے دو آدمی مار ڈالے۔ ان کی دیت میں حسبِ معاہدہ بنی نضیر کو بھی اپنا حصہ ادا کرنا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے محلہ میں تشریف لے گئے اور انہیں اپنا حصہ ادا کرنے کے لیے کہا۔ وہ بظاہر بڑے احترام سے پیش آئے اور ایک مکان کی دیوار کے نزدیک حضور کو بٹھایا۔ چھت پر چکی کا ایک بھاری پاٹ رکھا تھا۔ انہوں نے سازش کی کہ چپکے سے کوئی آدمی اوپر چڑھ جائے اور اس کو نیچے پھینک دے۔ ان کا ارادہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شہید کرنے کا تھا۔ جبرئیل امین نے حسبِ حکمِ الٰہی فوراً مطلع کر دیا۔ حضور وہاں سے اٹھ کر چلے آئے۔ بنی نضیر کو اس غدر کے باعث حکم دیا کہ وہ دس دن کے اندر مدینہ سے نکل جائیں۔ عبداللہ بن اُبی کی انگیخت پر پہلے تو وہ اکڑ گئے اور مدینہ چھوڑنے سے صاف انکار کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے محلہ کا محاصرہ کر لیا۔ کوئی منافق ان کی امداد کے لیے نہ آیا۔ آخر انہوں نے جان بخشی کی التجا کی جو قبول کر لی گئی اور ایک ایک اونٹ پر جتنا گھریلو سامان وہ لے جا سکتے تھے، انہیں لے جانے کی اجازت دے دی گئی۔ یہ لوگ خیبر اور وادی القریٰ میں جا کر آباد ہو گئے۔ انہوں نے مشرکینِ عرب کو مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کے لیے اکسایا اور عرب کے بدو قبائل کے پاس بھی ان کے وفد گئے۔ انہیں بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ چنانچہ دس بارہ ہزار کے لشکر نے ایک چھوٹی سی بستی پر ہلہ بول دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو خائب و خاسر کیا اور اپنے رسولِ مکرم کو فتحِ

Marfat.com

مبین عطا فرمائی۔ تفصیلی حالات آیات کے ضمن میں مذکور ہیں۔ اس سے ایک تو یہ فائدہ ہوا کہ کفار کے غبارہ سے ہمیشہ کے لیے ہوا نکل گئی۔ پہلے وہ حملہ آور تھے اور مسلمان صرف دفاعی جنگ لڑ رہے تھے۔ اب مسلمان آگے بڑھ کر حملہ کرنے کی پوزیشن میں ہو گئے اور کفار صرف دفاع اور وہ بھی ''بے دلی'' سے کرنے پر قانع ہو گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس روز اعلان فرما دیا: ''لَنْ تَغْزُوَكُمْ قُرَيْشٌ بَعْدَ عَامِكُمْ هٰذَا لٰكِنَّكُمْ تَغْزُوْنَهُمْ'' (1)۔ یعنی آج کے بعد قریش تم پر لشکر کشی نہ کر سکیں گے، اب تم ہی ان پر لشکر کشی کرو گے۔

دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ منافق بے نقاب ہو گئے۔ اس نازک مرحلہ میں انہوں نے جس بزدلی اور لاتعلقی کا ثبوت دیا، اُس نے اُن کو بے نقاب کر دیا۔ اب مسلمان اُن کو خوب پہچان گئے اور ان کی اذیت رسانیوں سے محتاط ہو گئے۔ تیسرا فائدہ یہ ہوا کہ بنی قریظہ، یہودی قبیلہ، جس کے مسلمانوں کے ساتھ عہد و پیمان تھے اس نے جنگ کے دوران میں عہد شکنی کی اور دشمن کے ساتھ مل گیا، لیکن حضور کی حکمتِ عملی سے مشرکین اور یہود کی اجتماعی کوششیں ناکام ثابت ہوئیں۔ آخر کار یہ قبیلہ بھی کیفرِ کردار کو پہنچا۔ تفصیلات اپنے اپنے مقام پر آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے دشمنانِ حق کے دلوں پر اسلام کی دھاک بٹھا دی۔ عرب کے سارے قبائل سہم گئے۔ ان کے دلوں میں مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کے جو فاسد خیالات وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے رہتے تھے، وہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئے۔ مدینہ طیبہ کی فضا اب یہود کی اذیت رسانیوں سے محفوظ ہو گئی۔

عام طور پر سیاسی راہنماؤں کی خانگی زندگی اور پبلک زندگی الگ الگ ہوا کرتی ہے۔ ان میں بیّن تضاد پایا جاتا ہے۔ وہ دوسروں کو تو سادگی اور کفایت شعاری کی تلقین کرتے ہیں اور ان کے اپنے گھروں میں تکلّفات اور سامانِ عشرت کی بھرمار ہوتی ہے۔ وہ لوگوں کو اعلیٰ کردار اور پاکیزہ سیرت کی تلقین کرتے ہیں، لیکن ان کے اہلِ خانہ کا دامن غفلت، سہل انگاری اور طرح طرح کی آلودگیوں سے ملوث ہوتا ہے۔ لیکن راہبرِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلبیت کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اگر تمہیں دنیا کی آسائشیں اور آرائشیں عزیز ہیں تو پھر تم اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول کے گھر کی زینت نہیں بن سکتی ہو۔ سارے خاندانِ نبوت کے لیے اخلاق، عبادات، تزکیۂ باطن اور پاک نفسی کا ایک مخصوص منشور پیش کیا جا رہا ہے۔ انہیں ان کے مقامِ رفیع کا احساس دلا کر اس کی عظیم

1۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 3، صفحہ 477۔ سیرت ابن ہشام، جلد 3، صفحہ 274

Marfat.com

ذمہ داریوں کو نبھانے کا تاکیدی حکم دیا جارہا ہے۔

پردے کا جو حکیمانہ نظام قرآنِ کریم سارے مسلم معاشرہ میں نافذ کرنا چاہتا ہے، اس کے ابتدائی احکامات بھی یہاں ذکر کردیئے گئے ہیں۔لیکن کردار کی بلندی، اخلاق کی پاکیزگی، عباداتِ الٰہی میں ذوق وشوق صرف خانوادۂ نبوت تک ہی محدود نہیں بلکہ امتِ مسلمہ کے ہر مرد وزن کو جن خوبیوں سے متصف ہونا چاہیے آیت نمبر ۳۵ میں بڑی تفصیل سے ان کو بیان کردیا گیا۔

ان تمام امور کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جن خصوصی انعامات، عظیم احسانات اور غیر متناہی کمالات سے سرفراز فرمایا ہے، ان کو بڑے دلفریب انداز میں اس سورت میں بیان کردیا گیا تاکہ جن وانس بلکہ ساری کائنات کو پتہ چل جائے کہ وہ ہستی جو قرآنِ کریم جیسی عظیم البرکت کتاب لے کر تشریف لائی ہے، جو اسلام جیسے دینِ فطرت کی داعی بن کر آئی ہے، جس نے نوعِ انسانی کو قیامت تک کے لیے شریعتِ بیضاء کی صورت میں ایک جامع ضابطۂ حیات مرحمت فرمایا ہے اس کی شان اپنے بھیجنے والے کی بارگاہ میں کیا ہے، تاکہ کوئی کند ذہن کسی تاویل سے اللہ تعالیٰ کے محبوبِ مکرم کی رفعتِ شان کا انکار نہ کرسکے۔فرمایا: وہ اللہ تعالیٰ کا فرستادہ اور خاتم النّبیین ہے۔اس سراجِ منیر کے افقِ وجود پر طلوع ہونے کے بعد چراغوں، ستاروں اور چاند کی روشنی کی ضرورت نہیں رہی۔ اب کوئی نیا نبی نہیں بھیجا جائے گا۔ نیز فرمایا کہ وہ سب صداقتوں کی سچائی کا گواہ ہے۔اس کا وجود، اس کی صفات، اس کے اقوال، اس کے اعمال، اس کے سارے احوال اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے ہیں۔ یہ سراجِ منیر بن کر تشریف لایا ہے۔ پھر فرمایا: میں اور میرے فرشتے سب اس کی ثنا گستری کررہے ہیں۔اے ایمان والو! تم بھی میرے محبوب رسول پر، قائدِ انسانیت پر، اس آفتابِ عالمتاب پر درود وسلام بھیجا کرو۔

ان کے علاوہ کئی دلآویز حقائق ہیں جو اپنے اپنے مقام پر پوری آب وتاب کے ساتھ چمک رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے استفادہ کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین بجاہ طٰہٰ ویٰسین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

ایاتہا ۷۳ | ۳۳ سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ ۹۰ | رکوعاتہا ۹

سورۃ الاحزاب مدنی ہے۔ اس کی آیتیں ۷۳، اس کے رکوع ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اے نبی (مکرم!)[1] (حسب سابق) ڈرتے رہیے اللہ تعالیٰ سے[2] اور نہ کہنا مانیے کفار اور منافقین کا[3] بے شک اللہ تعالیٰ

[1] اس مبارک سورت کا آغاز يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ کے پُرجلال کلمات سے کیا گیا ہے۔ براہِ راست اس خصوصی خطاب کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں چند ایسی اصلاحات کا حکم دیا جا رہا ہے جو قدامت پرست اہلِ عرب کے رسم و رواج کے سراسر خلاف تھیں۔ معاشرہ میں جب کوئی فعل رواج پکڑ جاتا ہے اور پُشت ہا پُشت سے لوگوں کا اس پر تعامل ہوتا ہے تو اسے ایک تقدس اور احترام حاصل ہو جاتا ہے، وہ لوگوں کی عقیدت کا مرکز بن جاتا ہے اور وہ اس بارے میں اتنے جذباتی ہو جاتے ہیں کہ اس میں کسی اصلاح اور ترمیم کو برداشت نہیں کرتے اور کسی بڑی سے بڑی ہستی کو بھی اس میں رد و بدل کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ قوموں کی اصلاح کا بیڑا اٹھانے والوں کے لیے سب سے صبر آزما لمحے وہی ہوتے ہیں جب وہ اپنی قوم کے غلط اور مضرت رساں رسم و رواج کے خلاف علمِ جہاد بلند کرتے ہیں۔

کیونکہ اس سورت میں عرب کے قدامت پسند معاشرہ اور ان کے غلط رواجوں کی اصلاح کرنا مقصود ہے، اور قوم کے شدید ردِ عمل کا اندیشہ ہے اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے محبوبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو خصوصی طور پر خطاب فرما کر چند ہدایات سے سرفراز کر رہے ہیں۔ تاکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کذب و افتراء کے جو طوفان اٹھنے والے ہیں، ان میں آپ ثابت قدمی اور استقامت کا مظاہرہ کریں۔

دوسرے انبیاء کو ہمیشہ ان کے نام سے مخاطب کیا جاتا ہے، یا آدم، یا نوح یا ابراہیم۔ "اے آدم، اے نوح، اے ابراہیم۔" لیکن اپنے حبیب کو جب بھی خطاب فرمایا تو نام سے نہیں بلکہ

Marfat.com

اسمِ وصفی سے۔اس سے مقصود حضورؐ کی عظمتِ شان اور جلالتِ قدر کا اظہار ہے(1)۔ چنانچہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مفسرین نے لکھا ہے: نَادَاهُ جَلَّ وَعَلَا بِوَصْفِهٖ دُوْنَ اسْمِهٖ تَعْظِيْمًا لَّهٗ وَ تَفْخِيْمًا(2)۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی تعظیم وتکریم اور اظہارِ شان کے لیے وصفِ نبوت سے یاد فرمایا اور نام لے کر ندا نہیں دی۔

صاحبِ لسان العرب لفظ ''نبی'' کی تحقیق کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ اس کے ماخذِ اشتقاق کے متعلق اہلِ لُغت کے تین قول ہیں۔(۱) یہ نَبَأ سے مشتق ہے (۲) یا نَبْوَۃٌ سے (۳) یا نَبَاوَۃٌ سے مشتق ہے۔ پہلے قول کے مطابق نَبِیٌّ بروزنِ فَعِیلٌ بمعنی مُفْعِل مُخْبِر ہوگا یعنی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دینے والا ہو۔

علامہ جوہری اور فرّاء دونوں کی رائے یہی ہے کہ یہ نَبَأ سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دینے والا۔

الجوہری: وَالنَّبِیُّ الْمُخْبِرُ مِنَ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ لِاَنَّہٗ اَنْبَاَ عَنْہُ وَھُوَ فَعِیْلٌ بِمَعْنٰی مُفْعِلٌ۔

قَالَ الْفَرَّاءُ: اَلنَّبِیْءُ ھُوَ مَنْ اَنْبَاَ عَنِ اللّٰہِ فَتُرِکَ ھَمْزَتُہٗ

اور اگر اس کا ماخذِ اشتقاق اَلنَّبْوَۃُ یا اَلنَّبَاوَۃُ ہو تو اس کا معنی ہے بلند اور اونچی چیز۔ کیونکہ نبی دوسروں سے ہر لحاظ سے ارفع واعلیٰ ہوتا ہے، اس لیے اسے نبی کہتے ہیں۔ وَاِنْ اُخِذَ مِنَ النَّبْوَۃِ وَالنَّبَاوَۃِ وَھِیَ الِارْتِفَاعُ عَنِ الْاَرْضِ اَوْ ھِیَ الشَّیْءُ الْمُرْتَفِعُ اَیْ اِنَّہٗ اَشْرَفُ عَلٰی سَائِرِ الْخَلْقِ۔(لسان العرب)(3)

لیکن علامہ اصفہانی نے مزید تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نَبَأٌ ہر خبر کو نہیں کہا جاتا بلکہ صرف اس خبر کو نَبَأٌ کہتے ہیں جس میں یہ تین اوصاف ہوں۔(۱) فائدہ مند ہو (۲) اہم اور عظیم ہو (۳) اور ایسی ہو کہ اس کے سننے سے علم یا کم از کم غلبۂ ظن حاصل ہو۔ اَلنَّبَأُ ذُوْ فَائِدَۃٍ عَظِیْمَۃٍ یَّحْصُلُ بِہٖ عِلْمٌ اَوْ غَلَبَۃُ ظَنٍّ وَّلَا یُقَالُ لِلْخَبَرِ فِی الْاَصْلِ نَبَأٌ حَتّٰی یَتَضَمَّنَ ھٰذِہِ الْاَشْیَاءَ الثَّلَاثَۃَ۔

اس لفظ پر تفصیلی بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اَلنُّبُوَّۃُ سَفَارَۃٌ بَیْنَ اللّٰہِ وَ بَیْنَ ذَوِی الْعُقُوْلِ مِنْ عِبَادِہٖ لِاِزَاحَۃِ عِلَّتِھِمْ فِیْ اَمْرِ مَعَادِھِمْ وَ مَعَاشِھِمْ وَالنَّبِیُّ لِکَوْنِہٖ مُنَبَّأً بِمَا تَسْکُنُ

1۔روح البیان، زیر آیت ہذا، جلد 7، صفحہ 131 2۔روح المعانی، زیر آیت ہذا، جلد 21، صفحہ 43-142
3۔لسان العرب، جلد 1، صفحہ 63-162

Marfat.com

اِلَیْہِ الْعُقُوْلُ الزَّکِیَّۃُ وَ ھُوَ یَصِحُّ اَنْ یَّکُوْنَ فَعِیْلًا بِمَعْنٰی فَاعِلٍ: وَاَنْ یَّکُوْنَ بِمَعْنَی الْمَفْعُوْلِ۔ (المفردات)(1) یعنی نبوت اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان پیغام رسانی کو کہتے ہیں جس سے ان کی دنیا اور عقبےٰ کی بیماریاں دور ہوتی ہیں اور نبی کیونکہ ایسی باتوں سے آگاہ کرتا ہے جس سے عقلِ سلیم کو تسکین ہوتی ہے اس لیے یہ فاعل اور مفعول دونوں معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔

شاید انہی تحقیقات کے پیشِ نظر اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب قدس سرہٗ نے ''النبی'' کا ترجمہ غیب کی خبریں دینے والا کیا ہے(2)۔ مولانا بدرِ عالم نے بھی نبی کا یہی معنی ذکر کیا ہے۔ ترجمان السنہ۔ جلد سوم ص ۴۴۱

۲ تقویٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شعار تھا۔ حضور کے دامنِ تقدس پر کسی ناپسندیدہ فعل کی گرد تک بھی نہیں پڑی تھی، جس سے پرہیز کا حکم دیا جا رہا ہو۔ اس لیے اس ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ اے حبیب! جس طرح آج تک آپ نے تقویٰ کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اسی طرح اب بھی ہمیشہ کی طرح بڑی استقامت کے ساتھ راہِ تقویٰ پر گامزن رہیے۔ اَلْمَقْصُوْدُ الدَّوَامُ وَالثَّبَاتُ عَلَیْھَا۔ (روح المعانی)(3)

۳ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفار و منافقین کے ساتھ بھی بڑے لطف و کرم سے پیش آیا کرتے اور ان کی دلداری کا خیال رکھتے۔ اس سے انہیں یہ غلط فہمی ہوگئی کہ اب اگر وہ کوئی صلاح و مشورہ دیں گے تو حضور قبول کر لیں گے۔ چنانچہ جنگِ احد کے بعد ابوسفیان، عکرمہ اور ابوالاعور مدینہ میں آئے اور عبداللہ بن ابی کے ہاں مہمان ٹھہرے۔ پہلے انہوں نے امان طلب کی۔ اس کے بعد خدمتِ اقدس میں حاضری دی اور کچھ معروضات پیش کرنے کی اجازت چاہی۔ ان لوگوں کی معیت میں عبداللہ بن ابی اور طعمہ بن ابیرق بھی چلے آئے۔

اثنائے گفتگو ابوسفیان وغیرہ نے کہا کہ آپ لات، منات، عزیٰ ہمارے معبودوں کے خلاف کہنا ترک کر دیجیے اور اعلان کر دیجیے کہ یہ بت بھی شفاعت کریں گے اور جو لوگ ان کی پوجا

1۔ مفردات راغب، صفحہ 89-788
2۔ کنز الایمان مع خزائن العرفان، سورۂ احزاب، ص 751، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جلد 21، صفحہ 143 (مفہوم)

Marfat.com

کرتے ہیں یہ ان کو بچالیں گے۔تو ہم آپ سے اور آپ کے رب سے اس کے بعد کوئی تعرض نہیں کریں گے۔ان کا یہ بیہودہ اور لغو مشورہ سن کر حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت کوفت ہوئی۔حضرت عمر بھی خدمت اقدس میں حاضر تھے۔عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجیے کہ میں ان (گستاخوں) کے سر قلم کردوں۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں انہیں پہلے امان دے چکا ہوں۔پھر ان کو حضور نے مدینہ طیبہ سے نکل جانے کا حکم دیا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کفار اور منافق اس قابل نہیں کہ ان کی بات مانی جائے۔آپ صرف ان احکام کی پیروی فرمایئے جو علیم و حکیم خدا نے آپ پر نازل فرمائے ہیں۔اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جو تمہاری انفرادی، اجتماعی، سیاسی اور معاشی ضرورتوں سے باخبر ہے اور اس کا ہر حکم حکمتوں سے پُر ہے۔ایسے علیم و حکیم خدا کی فرمانبرداری سے ہی تم دونوں جہانوں میں سرخرو ہو سکتے ہو(1)۔

كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ﴿۱﴾ وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

خوب جاننے والا، بڑا دانا ہے۔اور پیروی کرتے رہیے، جو وحی کیا جاتا ہے آپ کی طرف اپنے رب کی جانب سے۔یقیناً اللہ تعالیٰ

كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۙ﴿۲﴾ وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۳﴾

جو کچھ تم کرتے رہتے ہو اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔۴ اور (اے محبوب!) بھروسہ رکھیے اللہ پر اور کافی ہے اللہ تعالیٰ (آپ کا) کارساز۔۵

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ

نہیں بنائے اللہ تعالیٰ نے ایک آدمی کے لیے دو دل اس کے شکم میں۔۶ اور نہیں بنایا اس نے تمہاری بیویوں

الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ

کو جن سے تم ظہار کرتے ہو تمہاری مائیں۔۷ اور نہیں بنایا اس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے فرزند

۴ آپ صرف ان احکام کی پابندی کریں جو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ پر نازل فرمائے

1۔روح البیان، زیر آیت ہذا، جلد 7، صفحہ 131 (مفہوم)

Marfat.com

ہیں اور وہ تمہارے عمل کو جانتا ہے۔

۵ باقی رہیں کفار کی دھمکیاں اور منافقین کی ریشہ دوانیاں اور شرارتیں تو آپ ان کی قطعاً پروانہ کریں، اپنے رب پر بھروسہ کریں، اپنے سارے کام اسی کے سپرد کر دیں۔ اس کارساز کی تائید و نصرت کے بعد آپ کو کسی بداندیش کی ایذا رسانی کا ہرگز کوئی خوف نہیں ہونا چاہیے۔

۶ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو دو ہاتھ، دو پاؤں، دو کان اور دو آنکھیں دی ہیں لیکن دل صرف ایک ہی دیا ہے۔ یہاں متضاد خیالات اور عقائد کی گنجائش نہیں۔ ایک دل میں ایک ہی عقیدہ سما سکتا ہے۔ یا انسان خدا کا بندہ بن جائے یا اسے چھوڑ کر غیر کی بندگی اختیار کر لے۔ یہ ناممکن ہے کہ آپ کُفر اور اسلام دونوں کے علمبردار بنے رہیں، حق اور باطل دونوں سے رشتۂ عقیدت جوڑے رکھیں۔ زندگی کے اس پُرشور سمندر کو دو کشتیوں میں سوار ہو کر جو عبور کرنا چاہتا ہے وہ غرق ہو جاتا ہے۔ یا صدیق و فاروق کی صف میں شامل ہو جاؤ یا ابولہب اور ابوجہل کی سنگت اختیار کر لو۔ عبداللہ بن ابی جیسے منافق لوگوں کی یہاں قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔

۷ یہ بتا دینے کے بعد کہ یہاں دو رنگی کی گنجائش نہیں۔ اسلام کو من و عن اس کے سارے تقاضوں کے ساتھ قبول کرنا ہوگا یا اسے چھوڑ دینا ہوگا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ تم دورِ جاہلیت کے غلط رسم و رواج کو بھی اپنائے رکھو اور مسلمانی کا دم بھی بھرتے رہو۔ اس وضاحت کے بعد اب دورِ جاہلیت کے قبیح رسم و رواج میں اصلاح کا آغاز ہوتا ہے۔

ان کے ہاں ایک رواج یہ تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو یوں کہتا: اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّیْ کہ تو مجھ پر اس طرح ہے جس طرح میری ماں کی پشت، ان الفاظ کو طلاق شمار کیا جاتا۔ اور وہ عورت اس پر حرام ہو جاتی۔ اسلام نے اس کی اصلاح کی اور فرمایا کہ یوں ہی زبان سے کہہ دینے سے حقیقت نہیں بدل جایا کرتی کہ کسی کو ماں کہہ دیا تو وہ ماں بن گئی، اس لیے ان الفاظ سے بیوی کو طلاق نہیں ہوتی۔ لیکن اسلام کے شائستہ معاشرہ میں اس قسم کا اندازِ گفتگو ازحد ناپسندیدہ ہے، اس لیے ایسا کہنے والے پر اسلام نے کفارہ ادا کرنا ضروری قرار دیا(1)۔ ظہار کے مسائل کی تفصیل سورۃ المجادلہ میں بیان کی جائے گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، جلد 7، صفحہ 35-134 (مفہوم)

Marfat.com

یہ صرف تمہارے منہ کی باتیں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ تو سچی بات کہتا ہے اور وہ ہدایت دیتا ہے سیدھی راہ پر چلنے کی۔ ۸

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ

بلایا کرو انہیں ان کے باپوں کی نسبت سے۔ یہ زیادہ قرینِ انصاف ہے اللہ کے نزدیک۔ اگر تمہیں علم نہ ہو ان کے باپوں کا تو پھر

فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ

وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور تمہارے دوست ہیں۔ ۹ اور نہیں ہے تم پر کوئی گرفت جو تم

۸ اسی طرح ان کے ہاں یہ رواج بھی تھا کہ اگر کوئی شخص کسی کو اپنا متبنّٰی بنا لیتا تو اسے حقیقی بیٹے کی طرح اس متبنّٰی بنانے والے کی طرف منسوب بھی کیا جاتا اور اس متبنّٰی کو وہ تمام حقوق حاصل ہو جاتے جو حقیقی صُلبی بیٹے کے ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ بات حقیقت کے سراسر خلاف تھی، دوسرا اس سے طرح طرح کی پیچیدگیاں اور الجھنیں پیدا ہو جاتیں۔ کئی مستحق لوگوں کی حق تلفی ہوتی اور خاندان کے افراد میں تلخیاں پیدا ہو جاتیں، اس لیے اسلام نے اس رواج کو بھی منسوخ کر دیا اور بتا دیا کہ کسی کے بیٹے کو اپنا بیٹا کہہ دینے سے وہ حقیقت میں تمہارا بیٹا نہیں بن جاتا (1)۔

۹ اس آیت میں اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ جب انہیں بلاؤ تو ان کو ان کے حقیقی باپوں کی نسبت سے بلاؤ۔ انہیں ان لوگوں کا بیٹا کہہ کر مت پکارو جنہوں نے انہیں متبنّٰی بنایا ہے۔ اور اگر تمہیں ان کے حقیقی باپوں کا علم نہیں ہے، تو پھر وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ انہیں بھائی یا دوست کہہ کر پکارو۔ عربی زبان میں وہ لڑکا جسے اپنے حقیقی باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کیا جائے اسے الدعی کہتے ہیں۔ اس کی جمع الادعیاء ہے جو یہاں مذکور ہے۔ اس کا مصدر الدعوۃ ہے (2)۔

اس آیت سے اپنے نسب کی حفاظت کا حکم بھی دیا گیا ہے اور اس بات سے سختی سے روک دیا کہ کوئی شخص دانستہ اپنے آپ کو کسی غیر کا بیٹا کہے۔ علامہ قرطبی نے اس موقع پر بہت سی احادیث نقل کی ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کرنے سے سختی سے منع فرمایا ہے (3)۔

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، جلد 7، صفحہ 35-134 (مفہوم)
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جلد 14، صفحہ 121 3۔ ایضاً

اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۵

نادانستہ کر بیٹھو۔ البتہ وہ کام جو تمہارے دل قصداً کرتے ہیں (ان پر ضرور گرفت ہوگی۔) اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ ۱۰

۱۰ گفتگو میں جو بات ارادہ اور نیت کے بغیر زبان سے نکل جائے اس پر مواخذہ نہیں ہوگا۔ البتہ جو خلافِ شرع باتیں تم جان بوجھ کر قصداً کرو گے اس کی سزا تمہیں ضرور دی جائے گی۔ اگر غلطی کرنے کے بعد تمہیں ندامت ہو اور تم سچے دل سے توبہ کرلو، تو تمہاری توبہ قبول ہوگی۔ بیشک اس کی بخشش بڑی عام ہے اور اس کا دامنِ رحمت بڑا وسیع ہے۔

تمام علمائے تفسیر کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت حضرت زید بن حارثہ کے حق میں نازل ہوئی۔ یہ شام کے باشندے تھے۔ تہامہ کے چند سواروں کا ادھر سے گزر ہوا، یہ ابھی بچے ہی تھے انہوں نے انہیں پکڑ لیا، اپنے ساتھ لائے اور انہیں فروخت کر دیا۔ حکیم بن حزام بن خویلد نے جو ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے تھے انہیں خرید لیا اور خرید کر اپنی پھوپھی صاحبہ کو تحفۃً پیش کیا۔ حضرت ام المؤمنین نے زید کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بطورِ ہدیہ پیش کیا۔ حضور نے انہیں آزاد کر دیا اور اپنا متبنّٰی بنالیا۔

زید کے والد حارثہ اپنے لڑکے کے فراق میں دیوانہ ہو گئے اور اس کی تلاش میں ملک ملک کی خاک چھان ماری۔ اپنے بیٹے کے فراق میں جو قصیدہ انہوں نے لکھا اُسے پڑھ کر آج بھی دل پسیج جاتا ہے۔ چند شعر آپ بھی ملاحظہ فرمایئے اور ایک بدو کی بلاغت اور اس کے درد و سوز سے آگاہی حاصل کیجیے۔

بَكَيْتُ عَلٰى زَيْدٍ وَلَمْ اَدْرِ مَا فَعَلَ اَحَيٌّ فَيُرْجٰى اَمْ اَتَى دُوْنَهُ الْاَجَلُ

میں زید کے فراق میں روتا رہتا ہوں۔ مجھے اس کے حال کا کوئی علم نہیں۔ کیا وہ زندہ ہے، تاکہ اس کے لوٹ آنے کی امید کی جائے یا موت کی آغوش میں سو چکا ہے۔

تُذَكِّرُنِيْهِ الشَّمْسُ عِنْدَ طُلُوْعِهَا وَتَعْرِضُ ذِكْرَاهُ اِذَا غَرْبُهَا اَفَلْ

سورج جب طلوع ہوتا ہے تو وہ اس کی یاد تازہ کر دیتا ہے اور جب وہ غروب ہونے لگتا ہے تو پھر بھی اس کی یاد مجھے ستانے لگتی ہے۔

وَاِنْ هَبَّتِ الْاَرْيَاحُ هَيَّجْنَ ذِكْرَهٗ فَيَا طُوْلَ مَا حُزْنِيْ عَلَيْهِ وَمَا وَجَلْ

Marfat.com

جب ہوائیں چلتی ہیں تو اس کی آتشِ شوق کو بھڑکا دیتی ہیں، اس کی جدائی میں میرا غم اور اس کے متعلق میرے اندیشوں کا سلسلہ کتنا طویل ہے۔

سَاُعْمِلُ نَصَّ الْعِیْسِ فِی الْاَرْضِ جَاهِدًا وَلَا اَسْاَمُ التَّطْوَافَ اَوْتَسْاَمُ الْاِبِلُ

میں اپنی اعلیٰ نسل کی سانڈنی کو زمین میں چلاتا رہوں گا، اور نہ میں اس کی تلاش میں طواف کرنے سے تھکوں گا اور نہ ہی میری اونٹنی۔

حَیَاتِیْ اَوْ تَاْتِیْ عَلَیَّ مَنِیَّتِیْ فَکُلُّ امْرِءٍ فَانٍ وَّ اِنْ غَرَّهُ الْاَمَلُ

مجھے اپنی زندگی کی قسم! میں اس کی تلاش جاری رکھوں گا۔ حتی کہ میری موت آجائے۔ ہر شخص فانی ہے۔ اگرچہ امید اسے دھوکہ میں رکھے۔

حارثہ اپنے بھائی کے ہمراہ بچے کو تلاش کرتا ہوا مکہ آیا اور یہاں اپنے نورِ نظر کو دیکھ کر ان کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔ حضور کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یہ ہمارا بچہ ہے، آپ اس کا فدیہ لے لیجیے اور اسے ہمارے ساتھ جانے کی اجازت دیجیے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اگر یہ بچہ تمہارے ساتھ جانا چاہے، تو کوئی فدیہ لیے بغیر اسے تمہارے ساتھ جانے کی اجازت دی جائے گی۔ تم اسے اختیار دے دو چاہے یہاں رہے یا اپنے وطن لوٹ جائے۔ انہوں نے زید کو اختیار دے دیا۔ خوش بخت زید نے اپنے وطن واپس جانے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کو پسند کر لیا۔ حضور نے بھی از راہِ بندہ پروری زید کو اپنا متبنے بنالیا۔ اس روز کے بعد زید کو زید بن حارثہ کے بجائے زید بن محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہا جانے لگا۔

قرآنِ کریم کی جب یہ آیتیں نازل ہوئیں تو سب سے پہلے زید کو اپنے باپ کی طرف منسوب کیا جانے لگا اور انہیں پھر سے زید بن حارثہ کہہ کر پکارا جانے لگا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی نے زید کے بخت خُفتہ کو بیدار کر دیا۔ یہ ہی وہ زید ہیں جنہیں اس لشکر کا سپہ سالار بنایا گیا جو قیصرِ روم کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روانہ فرمایا تھا۔ ان کی قیادت میں اس روز بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ تھے حتی کہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ یہی وہ زید ہے جس نے غزوۂ موتہ میں دو لاکھ دشمن کی سپاہ کے مقابلہ میں لشکرِ اسلام کی قیادت کی اور اسلام کے پرچم کو بلند رکھنے کے لیے اپنی جان قربان کر دی۔ مصطفےٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کے صدقے میں تاجِ شہادت نصیب ہوا۔ اسی آقا

Marfat.com

کی نظرِ کرم نے ان کے نام کو، ان کے ذکر کو جاوداں بنا دیا(1)۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی مَنْ اَحَبَّہٗ وَاَطَاعَہٗ وَسَلَّمَ وَبَارَکَ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ۔ اٰمِین

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ وَاَزْوَاجُہٗٓ اُمَّھٰتُھُمْ ؕ وَ

نبی (کریم) مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں[11] اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔ [12] اور

[11] اللہ تعالیٰ اس تعلق کی کیفیت اور نوعیت بیان فرماتے ہیں جو نبی کریم ﷺ کو اپنے غلاموں کے ساتھ ہے۔ بتایا تمہاری خیر خواہی، اصلاحِ احوال، فلاحِ دارین اور تم پر لطف و کرم فرمانے میں میرا محبوب تم پر تمہارے نفسوں سے بھی زیادہ مہربان اور شفیق ہے۔ جتنا میرے نبی کو تمہاری عزت، خوشحالی، اخلاقی برتری کا خیال ہے تمہیں خود بھی اپنا اس قدر خیال نہیں۔ اس حقیقت کی وضاحت ایک دوسری آیت میں بھی کر دی گئی ہے: عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲۸﴾ (التوبہ) یعنی جو چیز تمہارے لیے تکلیف دہ ہے وہ انہیں بھی بڑی گراں گزرتی ہے، وہ تمہارے متعلق حریص ہیں اور اہلِ ایمان کے لیے بڑے مہربان اور رحیم ہیں۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ سے ایک حدیث روایت کی ہے۔ اسے بھی پڑھیے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: اِنَّمَا مَثَلِیْ وَ مَثَلُ اُمَّتِیْ کَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَارًا فَجَعَلَتِ الدَّوَابُّ وَ الْفَرَاشُ یَقَعْنَ فِیْہِ وَ اَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِکُمْ وَاَنْتُمْ تَقْتَحِمُوْنَ فِیْہِ (قرطبی)(2) یعنی میری اور میری امت کی حالت اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ جلائی ہو اور مختلف جانور اور پروانے اس میں گرنے کے لیے دوڑتے چلے آ رہے ہوں۔ میں تمہیں تمہاری کمروں سے پکڑ رہا ہوں اور تم اس میں گرنے پر اصرار کر رہے ہو۔

صحیح بخاری کی یہ حدیث بھی ملاحظہ فرمائیے:

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ مَا مِنْ مُّؤْمِنٍ اِلَّا وَ اَنَا اَوْلٰی بِہٖ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ اِقْرَؤُا اِنْ شِئْتُمْ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ وَ اَیُّمَا مُؤْمِنٍ مَّاتَ وَ

1۔ تفسیر قرطبی، زیرِ آیت ہذا، جلد 14، صفحہ 19-118 (مفہوم)

2۔ ایضاً، جلد 14، صفحہ 122

صحیح مسلم، باب شفقتہ ﷺ علی امتہ و مبالغتہ فی تحذیرھم مما یضرھم، جلد 2، صفحہ 248

تَرَكَ مَالاً فَلْيَرِثْهُ عَصَبَتُهٗ مَنْ كَانُوْا وَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا اَوْ ضِيَاعًا فَلْيَأْتِنِيْ فَاَنَا مَوْلَاهُ(1)۔

یعنی کوئی ایسا مومن نہیں جس کا دنیا و آخرت میں میں والی نہیں۔ اگر تم چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھو اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ الآیۃ اور جو مومن فوت ہو اور اپنے پیچھے مال چھوڑ جائے، تو اس کے قریبی رشتہ دار اس کے وارث ہوں گے اور جو مومن قرضہ وغیرہ چھوڑ جائے تو وہ میرے پاس آئے، میں اس کا والی ہوں۔

حضور کی شانِ کریمی پر انسان قربان جائے۔ کتنی شفقت اور محبت کا اظہار فرمایا جا رہا ہے۔

اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ

قریبی رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں، کتاب اللہ کی رو سے عام

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہمارے ساتھ ایسا تعلق ہے، حضور کی خیر خواہی اور لطف و کرم کا یہ عالم ہے تو پھر حیف ہے ہم پر اگر ہم حضور کی شریعت کو چھوڑ کر اپنے نفسوں کی خواہشات کی پیروی میں لگ جائیں، اپنے دوستوں کو خوش کرنے کے لیے، اعلیٰ حکام کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہم اپنے نبی پاک کی اطاعت سے سرتابی کریں۔ نیز اسلامی حکومتوں اور قانون ساز اداروں کو بھی اس امر کا پورا پورا احساس ہونا چاہیے کہ وہ کس رؤف و رحیم کا دامن چھوڑ رہے ہیں؟ اور کس کی اطاعت کو اپنا شعار بنا رہے ہیں؟ وَكَوْنُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ اَيْ اَرْاَفُ بِهِمْ وَاَعْطَفُ عَلَيْهِمْ اِذْ هُوَ يَدْعُوْهُمْ اِلَى النَّجَاةِ وَاَنْفُسُهُمْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهَلَاكِ(2)۔

"یعنی حضور کے اولیٰ بالمومنین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حضور ان پر ان کے نفسوں سے بھی زیادہ مہربان اور شفقت کرنے والے ہیں کیونکہ حضور انہیں نجات کی طرف بلاتے ہیں اور ان کے نفس انہیں ہلاکت کی دعوت دیتے ہیں"۔ حضرت سہل فرماتے ہیں: مَنْ لَّمْ يَرَ نَفْسَهٗ فِيْ مِلْكِ الرَّسُوْلِ وَلَمْ يَرَ وِلَايَتَهٗ عَلَيْهِ فِيْ جَمِيْعِ اَحْوَالِهٖ لَمْ يَذُقْ حَلَاوَةَ سُنَّتِهٖ(3): یعنی جو شخص اپنے آپ کو حضور کا غلام نہ سمجھے اور اپنے تمام حالات میں اپنے آپ پر حضور کی حکمرانی تسلیم نہ کرے، اس نے سنت کی شیرینی کا مزہ ہی نہیں چکھا۔

۱۲ حضور رسالت مآب علیہ التحیات والتسلیمات کی ازواجِ مطہرات کی عزت افزائی فرمائی

1۔ صحیح بخاری، باب الصلوٰۃ علی من ترک دینا، جلد 1، صفحہ 323

2۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، جلد 7، صفحہ 212 3۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، جلد 7 صفحہ 139

Marfat.com

جارہی ہے کہ یہ مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ اس تعلق کے باعث ہر مومن کا فرض ہے کہ ان کا اسی طرح احترام کرے جس طرح اپنی ماں کا احترام کرتا ہے۔ اگر ان جسمانی ماؤں کا احترام نہ کرنے والا رحمتِ الٰہی سے محروم ہو جاتا ہے، تو جو بدنصیب اپنی روحانی ماؤں کے متعلق گستاخیاں کرنے سے باز نہیں آتے انہیں اپنے حشر کا ابھی سے اندازہ کر لینا چاہیے۔

الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ

مومنوں اور مہاجرین سے ۱۳؎ مگر یہ کہ تم کرنا چاہو اپنے دوستوں سے کوئی بھلائی (تو اس کی اجازت ہے)۔ یہ

ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَ

(حکم) کتاب (الٰہی) میں لکھا ہوا ہے۔ ۱۴؎ اور (اے حبیب!) یاد کرو جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور

مِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۪ وَاَخَذْنَا

آپ سے بھی اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے بھی ۱۵؎ اور ہم نے ان

۱۳؎ ہجرت کے بعد وارث کا مہاجر ہونا ضروری تھا۔ اگر کوئی شخص دارِ حرب میں رہ جاتا، تو وہ ورثہ سے محروم کر دیا جاتا۔ نیز ہجرت کے بعد مہاجرین اور انصار میں جو بھائی چارہ قائم کیا گیا تھا، وہ بھی کچھ عرصہ کے لیے وراثت کا سبب بنا رہا۔ لیکن بعد میں ان عبوری احکام کو منسوخ کر دیا گیا اور ورثہ کی تقسیم قریبی رشتہ داروں کے درمیان محصور کر دی گئی (1)۔

۱۴؎ وراثت کے متعلق تو صراحۃً یہ بتا دیا گیا کہ یہ وارثوں کا حق ہے لیکن اگر کوئی شخص اپنے کسی محسن یا دوست کی خدمت کرنا چاہتا ہے، تو اسے بھی موقع دیا گیا کہ مال کے تیسرے حصہ تک اس کے لیے وصیت کر سکتا ہے جس کی تفصیل سورۂ نساء میں گزر چکی ہے۔ کتاب سے مراد قرآنِ کریم بھی ہو سکتا ہے اور لوحِ محفوظ بھی جس میں تکوینی اور تشریعی اُمور تفصیل سے درج کر دیئے گئے ہیں (2)۔

۱۵؎ انبیائے کرام علیہم السلام سے یہ پختہ وعدہ لیا گیا کہ تبلیغِ دین کی جو ذمہ داری انہیں سونپی گئی ہے اس میں وہ سرِ مو غفلت نہیں کریں گے۔

1۔ روح البیان، زیرِ آیت ہذا، جلد 7، صفحہ 140 (مفہوم) 2۔ ایضاً (مفہوم)

Marfat.com

پہلے اجمالاً جملہ انبیاء کا ذکر فرمایا۔ بعد میں چند اولوالعزم رسولوں کے نام کی تصریح کر دی جو صاحب کتاب اور صاحب شریعت تھے۔ ان میں سب سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر فرمایا تا کہ حضور کی عظمت وشوکت کا اظہار ہو جائے۔ نیز اس امر کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ اگر چہ حضور کی بعثت تمام انبیاء کے بعد ہوئی، لیکن تخلیق میں اوّلیت کا شرف حضور فخر الاوّلین و الآخرین کو ہی حاصل ہے۔

چنانچہ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب اس آیت کا مطلب پوچھا گیا تو حضور نے فرمایا:

''کُنْتُ اَوَّلَهُمْ فِی الْخَلْقِ وَاٰخِرَهُمْ فِی الْبَعْثِ''(1)۔

یعنی پیدائش میں میں سب سے پہلے تھا اور بعثت میں سب نبیوں کے بعد۔

مِنْهُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ۙ﴿۷﴾ لِّیَسْـَٔلَ الصّٰدِقِیْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَ اَعَدَّ

سب سے پختہ عہد لیا تھا۔ یہ کہ (آپ کا رب) پوچھے سچوں سے ان کے سچ کے متعلق اور اس نے

لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۸﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ

تیار کر رکھا ہے کافروں کے لیے دردناک عذاب۔ اے ایمان والو! یاد کرو اللہ تعالیٰ کے احسان کو

۱۶ جو اس نے

۱۶ ان آیات میں اس تائید اور عنایت کی طرف اشارہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے غزوۂ خندق میں مسلمانوں کو سرفراز فرمایا تھا۔ ان آیات کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے ان نازک حالات کا جائزہ لینا از حد اہم ہے جن سے مسلمانوں کو واسطہ پڑا تھا۔ اس لیے اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کا پس منظر پیشِ خدمت ہے۔

مدینہ طیبہ میں یہود کے دو مشہور قبیلے آباد تھے، بنی نضیر اور بنی قریظہ۔ اگر چہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ منورہ میں پہنچتے ہی ان سے دوستی کا معاہدہ کر رکھا تھا، لیکن ان کے دلوں میں اسلام سے عداوت کے شعلے بھڑکتے رہتے تھے۔ وہ ہر ایسے موقع کی تلاش میں رہتے جب کہ وہ اپنی اس باطنی خباثت کا مظاہرہ کر سکیں۔ غزوۂ احد میں جب گھاٹی پر متعین تیر اندازوں کی عجلت

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جلد 14، صفحہ 127

Marfat.com

اور غلطی کے باعث اسلامی لشکر کو سخت جانی نقصان ہوا، تو یہود کے حوصلے بڑھ گئے۔ دوستی کے معاہدہ کے باوجود بنی نضیر نے حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شہید کرنے کی ناپاک سازش کی جس میں وہ بری طرح ناکام ہوئے۔ اس عہد شکنی اور غداری کے باعث حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں مدینہ طیبہ سے نکل جانے کا حکم دیا۔ عبداللہ بن ابی نے انہیں جا کر شہ دی کہ وہ اپنے گھروں میں ڈٹے رہیں۔ اگر لڑائی کی نوبت آئی تو وہ اپنی جمعیت کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرے گا، اور اس نے یقین دلایا کہ دوسرے کئی بدو قبائل بھی ان کی امداد کے لیے مدینہ پر دھاوا بول دینگے۔ اس لیے بنی نضیر نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا اور صاف صاف کہلا بھیجا کہ ہم اپنے گھروں کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ آپ سے جو کچھ ہو سکتا ہے کر گزریئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مُہلت کی مدت ختم ہوتے ہی ان کا محاصرہ کر لیا۔ عبداللہ بن اُبی دبک کر اپنے گھر میں بیٹھا رہا۔ کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ ان کے دوش بدوش کھڑا ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کرے۔ جب بنی نضیر نے حالات کو اپنی توقع کے خلاف پایا تو انہوں نے مدینہ طیبہ چھوڑنے پر آمادگی کا اظہار کیا۔ چنانچہ تین آدمیوں کو ایک اونٹ پر جتنا سامان وہ لاد سکتے تھے لاد کر لے جانے کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دے دی۔ بنی نضیر جلاوطنی کے بعد کچھ خیبر میں آ کر آباد ہو گئے اور بعض وادی القریٰ میں فروکش ہو گئے۔ لیکن انہوں نے یہاں آ کر بھی اسلام کے خلاف سازش کرنی شروع کر دی۔ ان کا ایک وفد جس میں سلام بن ابی الحقیق، کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق۔ سلام بن مشکم اور حیی بن اخطب، قبیلہ بن نضیر سے اور بنی وائل سے ابوعمارہ شریک تھے، مکہ پہنچا اور قریش کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف جنگ پر ابھارنا شروع کیا اور انہیں یقین دلایا کہ وہ اس جنگ میں ان کے ساتھ ہوں گے۔ یہاں تک کہ اسلام اور بانی اسلام کو ختم کر کے دم لیں گے۔ قریش نے ان سے پوچھا کہ اے علمائے یہود! تم صاحبِ کتاب ہو اور علم و فضل میں تمہارا مقام بہت اونچا ہے۔ تم جانتے ہو کہ محمد (فداہٗ ابی وامی) سے ہم برسرِ پیکار ہیں۔ ہمیں ذرا یہ تو بتاؤ کہ ہم راہِ راست پر ہیں یا وہ؟ یہودی وفد نے کہا: تمہارا دین ان کے دین سے بہتر ہے اور اُن سے کہیں زیادہ تم راہِ حق پر گامزن ہو۔ بیوقوف اتنی سی بات پر خوشی کے مارے آپے سے باہر ہو گئے۔ چنانچہ وہ بھی اس معاہدہ میں شریک ہو گئے اور مسلمانوں کو نیست و نابود کر دینے کا عزم کر لیا۔

اس وفد کی ملاقات جب ابوسفیان سے ہوئی تو اُس نے ان کا بڑا پُرتپاک خیر مقدم کیا اور انہیں

Marfat.com

کہا کہ ہمارے نزدیک سب سے پسندیدہ لوگ وہ ہیں جو محمد (فداہ روحی) کی عداوت پر ہمارے ساتھ معاہدہ کرتے ہیں۔ یہودی اور کیا چاہتے تھے، انہوں نے ابوسفیان کی اس آمادگی کو دیکھ کر کہا کہ آپ قریش میں سے پچاس سردار چن لیں اور آپ بھی اُن میں ہوں۔ پھر ہم سب جا کر کعبہ کے غلاف کو پکڑ کر اور اپنے سینے کعبہ کی دیواروں کے ساتھ ملا کر وعدہ کریں کہ ہم پیغمبرِ اسلام کی عداوت میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں گے، اور جب تک ہم میں سے ایک شخص بھی زندہ رہا وہ اسلام کے خلاف جنگ جاری رکھے گا۔ چنانچہ قریش کے پچاس سرداروں اور یہودیوں کے اس وفد نے کعبہ کے غلاف کو پکڑ کر اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کا معاہدہ کیا۔ (مظہری)(1)

یہاں سے وہ بنی غطفان کے پاس پہنچے، انہیں اسلام کے خلاف خوب بھڑکایا۔ قریش کے ساتھ جو طے پایا تھا اسے بھی خوب نمک مرچ لگا کر بیان کیا اور ساتھ ہی یہ لالچ بھی دیا کہ اگر تم اس جنگ میں ہمارا ساتھ دو گے تو ہم خیبر کے باغات کی کھجوروں کا سارا پھل اس سال تمہاری نذر کریں گے۔ چنانچہ بنی غطفان کا سردار عیینہ بن حصین اپنے قبیلے سمیت اس سازش میں شریک ہو گیا۔ عیینہ نے اپنے دوست قبائل بنی اسد، بنی مرہ۔ اشجع کو بھی اس جنگ میں شرکت کی دعوت دی جو انہوں نے قبول کر لی۔

قریش کے لشکر کا کماندار ابوسفیان تھا۔ غطفان اور اس کے حلیف قبیلوں کا پرچم عیینہ کے ہاتھ میں تھا۔ اس طرح یہ دس بارہ ہزار کا لشکرِ جرار مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کے لیے اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دینے کے لیے روانہ ہوا۔ سرزمینِ عرب میں اتنا عظیم لشکر آج تک کسی نے نہیں دیکھا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا محبوب بھی اپنے دشمنوں کے عزائم سے بے خبر نہیں تھا۔ مختلف قبائل میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جو غلام تھے انہوں نے ساری تفصیلات سے آگاہ کر دیا۔ حضور نے صحابہ کرام کو مشورہ کے لیے طلب فرمایا۔ حالات بڑے نازک تھے۔ ایک چھوٹی سی بستی پر اتنے لشکرِ جرار کی یلغار کیسے روکی جائے؟ جب کہ اس بستی میں بھی مار ہائے آستین کی کمی نہ تھی۔ حضرت سلمان نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! ہمارے ملک فارس میں جب دشمن یوں حملہ کرنے کی نیت سے دھاوا بول دیتا، تو ہم اپنے شہر کے اردگرد خندق کھود کر اس کی پیش قدمی کو روک دیتے تھے۔ ارشاد ہو تو

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، جلد 7، صفحہ 91-289 (مفہوم)

Marfat.com

مدینہ طیبہ کے اردگرد خندق کھود دی جائے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اس تجویز کو بہت پسند فرمایا اور شہر کی اس جانب جدھر سے چڑھائی کا خدشہ تھا، خندق کھودنے کے لیے نشانات لگا دیئے گئے۔ ہر دس آدمی کو چالیس گز خندق کھودنے کا فریضہ سونپا گیا۔ خندق کھودنے کے کام میں سب مسلمان شریک تھے، کوئی بھی مستثنیٰ نہ تھا۔ فخرِ دو جہاں، سرورِ کون ومکان اپنے دستِ مبارک میں کُدال لیے اپنے غلاموں کے دوش بدوش خندق کھودنے میں مصروف تھے اور مٹی اٹھا اٹھا کر باہر پھینک رہے تھے۔ صحابہ کرام کہتے ہیں کہ شکم مُبارک کے بال مٹی سے اٹ گئے تھے اور جلد مبارک دکھائی نہیں دیتی تھی۔

بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جاڑے کا موسم تھا۔ غضب کی سردی تھی۔ صحابہ کرام بھوک سے نڈھال ہیں، تھکاوٹ سے چور ہیں، لیکن اپنے محبوب قائد کے ارشاد کی تعمیل میں سرگرمِ عمل ہیں۔ شمعِ توحید کے ان پروانوں کو اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب نے جانبازی اور فدائیت کا یوں مظاہرہ کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

اِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْاٰخِرَۃْ فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَ الْمُھَاجِرَۃْ

یعنی زندگی تو آخرت کی زندگی ہی ہے۔ میرے پروردگار! انصار اور مہاجرین کو بخش دے۔

اپنے حق میں یہ دعا سن کر صحابہ کرام پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی، کیف وسرور سے بے خود ہو کر یہ گانے لگے:

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا عَلَی الْجِھَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا(1)

یعنی ہم منزلِ عشق ومحبت کے وہ مسافر ہیں جنہوں نے اپنے ہادی ومُرشد کے دستِ مبارک پر اس بات پر بیعت کی ہے کہ ہم جب تک زندہ رہیں گے کلمۂ حق کو بلند کرنے کیلئے مصروف جہاد رہیں ہے۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کبھی اپنے شیریں اور دلنواز لہجہ سے اپنے ایک غلام حضرت عبداللہ بن رواحہ کے یہ شعر بھی پڑھتے۔

اَللّٰھُمَّ لَوْ لَا اَنْتَ مَا اھْتَدَیْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا

فَاَنْزِلَنْ سَکِیْنَۃً عَلَیْنَا وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَیْنَا(2)

1۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الخندق وھی الاحزاب، جلد 2، صفحہ 588 2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 589

یعنی اے میرے مولا کریم! اگر تیری مہربانی نہ ہوتی تو ہم راہِ ہدایت پر گامزن نہ ہوتے، نہ ہم زکوٰۃ دیتے اور نہ ہمیں نماز کی توفیق ملتی۔ اے اللہ! ہم پر اطمینان وسکون نازل فرما اور اگر ہمارا مقابلہ دشمنوں سے ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔

عمرو بن عوف کہتے ہیں کہ میں، سلمان، حذیفہ، نعمان بن مقرن المزنی اور چھ انصاری اپنے حصہ کی چالیس گز خندق کھود رہے تھے، تو اتفاق سے ایک چٹان آ گئی۔ ہم نے سارا زور لگایا، بڑے جتن کیے لیکن وہ نہ ٹوٹی۔ میں نے حضرت سلمان سے کہا کہ آپ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا ماجرا بیان کریں تا کہ جو ارشاد ہو اس پر عمل کیا جائے۔ حضرت سلمان خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور چٹان کے متعلق گزارش کی کہ ہمارے بازو شل ہو گئے ہیں، ہماری کُدالیں کُند ہو گئی ہی، لیکن وہ ٹوٹنے کا نام نہیں لیتی۔ یہ سن کر حضور خود اٹھے اور اس جگہ کی طرف روانہ ہوئے وہاں پہنچ کر حضرت سلمان کے ہاتھ سے گینتی پکڑی اور اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر ضرب لگائی۔ اس سے اتنی روشنی پیدا ہوئی جیسے کسی نے گھپ اندھیرے میں اچانک چراغ جلا دیا ہو۔ اور اس کا تیسرا حصہ ٹوٹ کر الگ جا گرا۔ حضور نے فرمایا اللہ اکبر اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ الشَّامِ۔ مجھے ملکِ شام کی کنجیاں دے دی گئیں۔ دوسری مرتبہ پھر حضور نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ضرب لگائی، پھر اسی طرح روشنی نمودار ہوئی اور تیسرا حصہ ٹوٹ گیا۔ حضور نے فرمایا: اللہ اکبر اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ فَارِسِ۔ مجھے ملکِ ایران کی کنجیاں بخش دی گئیں۔ تیسری مرتبہ چوٹ لگائی، باقی ماندہ چٹان بھی ریزہ ریزہ ہو گئی اور حضور نے فرمایا اللہ اکبر اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ الْیَمَنِ۔ مجھے یمن کی کنجیاں مرحمت کر دی گئیں۔ اسی طرح نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ضربوں سے نہ صرف اس چٹان کو پارہ پارہ کر دیا، بلکہ دنیا کی دو بڑی عالمی طاقتوں روم اور ایران کے سنگین قلعوں کو بھی ہلا کر رکھ دیا اور ان ممالک کی فتح کی نوید بھی اپنے غلاموں کو سنا دی۔ ظاہری حالات کی نزاکت کسی سے مخفی نہیں۔ سارا عرب امڈ کر آ رہا ہے۔ مدینہ کا ماحول بھی سازگار نہیں۔ یہاں بھی یہودیوں اور منافقوں کی ایک بھاری جمعیت موجود ہے۔ فوج کے لیے نہ ساز و سامان ہے اور نہ خوراک کا معقول انتظام ہے۔ ان حالات میں جب بظاہر دشمن کے اس زبردست حملہ کے پیشِ نظر اپنی سلامتی بھی مشکوک ہو اتنی عظیم مملکتوں کی فتح کی بشارت صرف اللہ تعالیٰ کا پیارا رسول ہی دے سکتا

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جلد 14، صفحہ 31-129

Marfat.com

ہے جس کی نگاہِ نبوت کے سامنے مستقبل کے واقعات بھی صاف دکھائی دے رہے ہیں (1)۔

یہاں ایک اور بات غور طلب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بشارت دیتے ہوئے ہر بار یہ فرمایا: اُعْطِیْتُ، کہ مجھے ان ملکوں کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ اور سب جانتے ہیں کہ یہ ملک حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں فتح ہوئے اور حضور کی یہ بشارت پوری ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت فاروقِ اعظم، حضور نبی کریم کے خلیفہء برحق تھے، اسی لیے جو ممالک آپ کی خلافت کے زمانہ میں فتح ہونے والے تھے انہیں حضور نے اپنی ذات کی طرح منسوب فرمایا۔ اگر آپ خلیفۂ برحق نہ ہوتے بلکہ غاصب اور ظالم ہوتے، جیسے بعض نادان لوگ کہا کرتے ہیں تو اس بشارت کا قطعاً کوئی محل نہ ہوتا۔ کبھی کوئی شخص اپنے دشمن اور مخالف کی فتوحات کو اپنی طرف منسوب نہیں کیا کرتا۔ ہمیشہ اپنوں کی فتوحات اور انہی کے کارناموں کو اپنی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن ملکوں کی فتح کا وعدہ اپنے حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا تھا، اس وعدہ کا خلافتِ فاروقی میں پورا ہونا آپ کے خلیفۂ برحق ہونے کی اتنی روشن دلیل ہے کہ کسی حق پسند اور منصف مزاج کو کسی دوسری دلیل کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

یہ روایت صرف اہلِ سنت کی کتابوں میں ہی نہیں تا کہ کوئی یہ کہہ کر اپنے دل کو بہلا لے کہ یہ سنیوں کی گھڑی ہوئی روایت ہے۔ بلکہ شیعہ حضرات کی صحیح ترین حدیث کی کتابوں میں موجود ہے جس سے خلفائے راشدین کی خلافت کی حقانیت ثابت ہوتی ہے۔ ناظرین کے فائدہ کے لیے شیعہ کتب کی روایت بھی درج ہے۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ اپنے محبوبِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے اسے کسی کی ہدایت کا سبب بنا دے۔

فروعِ کافی جلد دوم کتاب الروضہ ص ۲۵ مطبوعہ تہران میں درج ہے: عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ لَمَّا حَفَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الْخَنْدَقَ مَرُّوْا بِکُدْیَۃٍ فَتَنَاوَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الْمِعْوَلَ مِنْ یَدِ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَوْ مِنْ یَدِ سَلْمَانَ فَضَرَبَ بِھَا ضَرْبَۃً فَتَفَرَّقَتْ بِثَلَاثِ فِرَقٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فُتِحَ عَلَیَّ فِیْ ضَرْبَتِیْ ھٰذِہٖ کُنُوْزُ کِسْرٰی وَ قَیْصَرَ (1)۔ یعنی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خندق کھودنے کا حکم دیا، تو ایک چٹان آ گئی۔ حضور نے حضرت امیر المؤمنین یا حضرت سلمان کے ہاتھ سے کُدال پکڑی اور اس چٹان پر

1۔ فروع کافی، کتاب الروضۃ، جلد 2، صفحہ 25

Marfat.com

ضرب لگائی۔ اس کے تین ٹکڑے ہو گئے۔ حضور نے فرمایا: میری اس ضرب سے میرے لیے کسریٰ اور قیصر کے خزانے فتح ہو گئے ہیں۔ حملہ حیدری میں اس واقعہ کو اس طرح نظم کیا گیا ہے:

بپاسخ چنیں گفت خیر البشر کہ چوں جست برق نخست از حجر

حضور نے جواب فرمایا کہ جب پہلی ضرب سے پتھر سے آگ نکلی (بجلی کوندی)

نمودند ایوان کسریٰ بمن دوم قصرِ رومؔ سوم از یمنؔ

مجھے کسریٰ کے محلات دکھائے گئے اور دوسری ضرب پر روم کا محل، تیسری ضرب کے وقت یمن۔

سبب را چنیں گفت روح الامین کہ بعد از من اعوان و انصار دین

جبرئیل علیہ السلام نے اس کا سبب یہ بیان کیا کہ میرے بعد دین اسلام کے مددگار اور جان نثار

بریں مملکت ہا مسلط شوند بآئین من اہل آں بگروند

ان ملکوں پر قابض ہوں گے اور وہاں میری شریعت کا قانون نافذ کریں گے۔

بریں مژدہ و شکر و لُطف خدا بہر بار تکبیر کردم ادا

اس بشارت اور اللہ تعالیٰ کے لُطف پر میں نے ہر بار تکبیر کہی۔

شنیدند آں مژدہ چوں مومناں کشیدند تکبیر شادی کناں (1)

مومنوں نے جب یہ مژدہ سنا، تو سب نے خوش ہو کر نعرہ تکبیر بلند کیا۔

اسی طرح دیگر کتابوں میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے۔

شب و روز کی محنتِ شاقہ سے کفار کے لشکر کے آنے سے پہلے خندق تیار کر لی گئی۔ مدینہ طیبہ کے تین اطراف ایسے تھے، جہاں سے عمومی حملہ کی توقع نہ تھی۔ جنوب کی طرف گھنے باغات تھے۔ مشرق اور مغرب کی طرف پتھریلا علاقہ اور سخت چٹانیں تھیں۔ جہاں جگہ جگہ گہری اور چوڑی دراڑیں تھیں۔ صرف شمال کی سمت ہی کھلی اور غیر محفوظ تھی اور حملہ کا اسی جانب سے خطرہ تھا۔ چنانچہ کوہِ سلع کو پشت کی طرف رکھ کر شہر کی شمالی جانب پانچ گز چوڑی اور پانچ گز گہری خندق کھود کر مکمل کر لی گئی۔ دشمن کے وہاں پہنچنے سے پہلے حضور تین ہزار جان نثاروں کو لے کر موزوں مقامات پر خیمہ زن ہو گئے۔ کفار کا لشکر جو ایک طوفان کی صورت میں آگے بڑھا چلا آ رہا تھا، اسے یہ خیال تھا کہ وہ مدینہ کی بستی کو پہلے ہلہ میں ہی نیست و نابود کر کے رکھ دے گا۔ انہوں نے جب اپنے

1۔ دیوان حملہ حیدری، صفحہ 97

Marfat.com

سامنے اتنی چوڑی اور گہری خندق دیکھی تو حیرت زدہ ہو کر رہ گئے۔ ان کی جنگی منصوبہ بندی میں ایسی تدبیر کا سان گمان بھی نہ تھا۔ مجبوراً خندق کی دوسری طرف ہی انہوں نے اپنے خیمے نصب کر لیے اور مسلمانوں کو اپنے محاصرہ میں لے لیا اور حملہ کے لیے مناسب وقت کا انتظار کرنے لگے۔

ایک روز ابوجہل کا بیٹا عکرمہ، عمرو بن عبدِ وُدّ عرب کا مشہور شہ سوار اور جنگجو اپنے کئی ساتھیوں کے ساتھ گھوڑوں پر سوار ہو کر خندق کا چکر کاٹنے لگے۔ ایک جگہ خندق نسبتاً تنگ تھی۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ گھوڑا بجلی کی سرعت کے ساتھ کود کر خندق کے دوسرے کنارے پر جا پہنچا۔ وہاں پہنچ کر اس نے بلند آواز سے للکارا: هَلْ مِنْ مُبَارِزٍ؟ ہے کوئی میرے ساتھ مقابلہ کرنے والا؟ کافر کی یہ للکار سن کر اللہ اور اس کے رسول کا شیر علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اپنی تلوار ہوا میں لہراتے ہوئے سامنے جا کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''اے عبدِ ود کے بیٹے! میں نے سنا ہے کہ تو نے یہ عہد کیا ہوا ہے کہ اگر کوئی قریشی تجھ سے دو چیزوں کا مطالبہ کرے گا تو تو ان دو میں سے ایک ضرور دے گا۔ اس نے بڑی نخوت سے کہا: ہاں، میں نے ایسا عہد کیا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا: میں تجھ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک پر ایمان لے آ اور اسلام قبول کر لے۔ اَدْعُوْكَ اِلَى اللّٰهِ وَاِلٰى رَسُوْلِهٖ وَاِلَى الْاِسْلَامِ۔ اس نے کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ شیرِ خدا نے فرمایا: پھر میری دوسری درخواست یہ ہے کہ آ اور میرے ساتھ مقابلہ کر۔ وہ کہنے لگا: میرے، آپ کے والد ابوطالب کے ساتھ بڑے دوستانہ مراسم تھے۔ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ آپ میری تلوار سے قتل ہوں۔ اسلام کے شیر نے کفر کی لومڑی کو فرمایا: لیکن میں اس بات کو بہت پسند کرتا ہوں کہ میری ذوالفقار تیرا سر قلم کرے۔ یہ سن کر وہ غُصّہ سے دیوانہ ہو گیا۔ اس نے اپنے گھوڑے کی پشت سے چھلانگ لگا دی۔ اس کی کونچوں کو کاٹ دیا اور حیدرِ کرار سے پنجہ آزمائی کے لیے آگے بڑھا۔ سارا کفر سارے اسلام کے مدِ مقابل تھا۔ دونوں نے اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے۔ پے در پے حملے کرنے کے لیے ایک دوسرے پر جھپٹتے رہے۔ اتنی گرد و غبار اڑی کہ دونوں اس میں چھپ گئے۔ دونوں لشکر اپنے اپنے بہادروں کی تلواروں کی جھنکار اور ان کے آپس میں ٹکرانے کی آواز سن رہے تھے۔ دکھائی کچھ نہیں دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا محبوب اپنی چشمِ اشکبار سے سیدنا علی کی کامیابی کے لیے مصروف دعا ہو گیا۔ علی کی تلوار صاعقہ بن کر چمکی۔ اس کے فولادی خَود کو اور اس کی زِرہ کو چیرتی ہوئی دشمن خدا کو دو ٹکڑے کرتی ہوئی زمین پر آ رُکی۔ چند لمحوں کے

Marfat.com

لیے سناٹا چھا گیا۔ یہ لمحے مسلمانوں کے لیے قیامت کے لمحے تھے۔ جب غبار چھٹا تو دنیا نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کا شیر، مصطفٰے کریم کی آغوشِ ناز میں پروان چڑھنے والا بھائی اور حسنینِ کریمین کا پدرِ بزرگوار اس کافر کی چھاتی پر چڑھا بیٹھا ہے اور تلوار سے اس کا سر تن سے جدا کر رہا ہے۔ مسلمانوں کی خوشی کا کیا عالم ہوگا۔ حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی مسرت وشادمانی کی کیا کیفیت ہوگی، اس کا حال اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ یہی وہ ضربِ حیدری ہے جس نے کفر کے چھکے چھڑا دیئے اور ان کے سارے منصوبوں پر پانی پھیر دیا۔

اس واقعہ کے بعد ایک مہینہ کے قریب کفار محاصرہ کیے رہے لیکن، پھر کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے شیروں کے کچھار کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔

اگرچہ یہ سب ہنگامہ یہود کے ایک قبیلہ بنی نضیر کی ریشہ دوانیوں سے رونما ہوا تھا، لیکن دوسرا یہودی قبیلہ بنی قریظہ اس میں بالکل ملوث نہیں تھا۔ اس کے سردار کا نام کعب بن اسد قرظی تھا۔ یہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ کیے ہوئے دوستی کے معاہدہ کی پوری طرح پابندی کر رہے تھے۔ ایک دن موقع پا کر بنی نضیر کا رئیس حیّی بن اخطب بنی قریظہ کے سردار کعب کو ملنے کے لیے گیا تا کہ اس کو بھی اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرے۔ جب کعب کو اس کے آنے کی خبر ہوئی تو اس کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے اندازہ کر لیا کہ ضرور کوئی خباثت کرے گا۔ اس نے اپنے قلعہ کا دروازہ بند کر لیا اور اس کو ملنے سے انکار کر دیا۔ حیّی نے کہا: اے کعب! دروازہ کھول۔ کعب نے کہا: تم بد بخت آدمی ہو، مجھے بھی تم کسی بلا میں مبتلا کر دو گے، اس لیے میں تمہارے لیے دروازہ نہیں کھولوں گا۔ حیّی نے اسے طعنہ دیتے ہوئے کہا: تم اس لیے دروازہ نہیں کھول رہے کہ تمہیں روٹی نہ کھلانی پڑے۔ بخل کا یہ الزام کعب کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ اس نے بادلِ نخواستہ دروازہ کھول دیا۔ جب دونوں تنہائی میں بیٹھے، تو حیّی نے کہا: یَا کَعْبُ! جِئْتُكَ بِعِزِّ الدَّهْرِ بِبَحْرٍ طَامٍ۔ جِئْتُكَ بِقُرَيْشٍ عَلٰى قَادَتِهَا وَ سَادَتِهَا۔ اے کعب! میں تمہارے پاس زمانہ بھر کی عزت لے کر آیا ہوں۔ ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر لے کر آیا ہوں۔ میں تمہارے پاس قریش کے جنگجو، اُن کے سرداروں سمیت لے کر آیا ہوں۔ بنی غطفان اور کئی دوسرے قبائل کے نوجوان بھی اس لشکرِ جرار میں شامل ہیں۔ ہم نے یہ پختہ وعدہ کیا ہے کہ جب تک ہم حضور کا خاتمہ نہ کر دیں گے اور اسلام کو جڑوں سے اکھیڑ کر نہ پھینک دیں گے اس وقت تک یہاں سے نہ ٹلیں گے۔ اسلام اور مسلمانوں کو نیست ونابود

Marfat.com

کرنے کا ایسا زرّیں موقع پھر نہیں ملے گا۔ اس موقع کو غنیمت جانو اور ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ ہم باہر سے حملہ کریں گے اور تم پشت کی طرف سے ہلہ بول دینا۔ کعب نے پہلے تو صاف صاف انکار کر دیا اور کہا: جِئْتَنِیْ بِذُلِّ الدَّهْرِ وَ بِجِهَامٍ قَدْ اُهْرِقَ مَاءُهٗ۔ اے حیّی تم میرے پاس زمانہ بھر کی عزت نہیں لائے بلکہ جہان بھر کی ذلت اور رسوائی لے کر آئے ہو۔ اور جو لشکر تمہارے ساتھ ہے یہ ایسا بادل ہے جو صرف گرجنا اور کڑکنا جانتا ہے۔ اس میں بارش کا ایک قطرہ بھی نہیں۔ پیغمبرِ اسلام سے ہمارا دوستی کا معاہدہ ہے اور آج تک ان کی طرف سے اس کی معمولی خلاف ورزی بھی نہیں ہوئی۔ میں اس معاہدہ کو توڑنا نہیں چاہتا۔ لیکن حیّی اس کو عہد شکنی پر برانگیختہ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ کامیاب ہو گیا اور کعب نے آخر کار مسلمانوں سے دوستی کے معاہدہ کو بالائے طاق رکھ دیا اور حیّی اور لشکر کفار کے ساتھ اپنی قسمت وابستہ کر دی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ بات سنی تو اس کی تصدیق کے لیے قبیلۂ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ اور خزرج کے رئیس حضرت سعد بن عبادہ کو چند خاص آدمیوں کے ساتھ بنو قریظہ کی طرف بھیجا اور فرمایا کہ اگر یہ اطلاع غلط ہو تو بھرے مجمع میں آ کر بتا دینا۔ لیکن اگر درست ہو تو کنایۃً بتانا۔ ایسا نہ ہو کہ اس حادثہ سے مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جائیں۔ یہ حضرات جب بنی قریظہ کی گڑھی میں پہنچے تو وہاں کا سماں ہی بالکل نرالا تھا۔ جنگ کی تیاریاں زور شور سے ہو رہی تھیں۔ تلواریں، بھالے، تیر کمانیں اسلحہ خانے سے نکال کر تقسیم کی جا رہی تھیں۔ انہوں نے کعب سے گفتگو کرنا چاہی اور اسے سمجھانا چاہا، لیکن وہاں تو نیتوں میں فتور پیدا ہو چکا تھا، وہ کوئی معقول بات سننے کے لیے تیار نہ تھے۔ تو تو، میں میں تک نوبت پہنچی۔ بنی قریظہ نے صاف صاف کہہ دیا کہ ہمارے درمیان اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے درمیان قطعاً کوئی معاہدہ نہیں ہے۔ حضرت سعد بن معاذ نے اپنے ساتھیوں کو ان کے ساتھ الجھنے سے روکا اور فرمایا: اب یہ معاملہ گالی گلوچ سے طے نہیں ہوگا۔ اب معاملہ بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ واپس آ کر انہوں نے اس عہد شکنی کی اطلاع حضور کی خدمت میں اشارتاً کر دی۔ رفتہ رفتہ یہ بات عام ہو گئی۔ مسلمانوں کی پریشانی کی حد ہو گئی۔ پہلے تو صرف بیرونی حملہ آور سے مقابلہ تھا اب گھر بھی محفوظ نہ رہا۔ بنی قریظہ کے نوجوان کسی وقت بھی عقب سے حملہ کر کے حالات کو سنگین بنا سکتے تھے۔

منافقین جو اب تک مصلحت بینی کے پیشِ نظر بادلِ نخواستہ اسلامی لشکر میں شامل تھے انہوں

نے برملا کھسکنا شروع کر دیا۔ وہ طرح طرح کی بہانہ سازیاں کرنے لگے، لیکن اللہ تعالیٰ کے محبوب کے سچے خادم ان حالات میں بھی ثابت قدمی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کفار کی جمعیت اور طاقت کو منتشر کرنے کے لیے بنی غطفان کے سرداروں عیینہ اور ابوالحارث بن عمرو سے بات چیت شروع کی۔ اگر تم محاصرہ اٹھا کر چلے جاؤ تو مدینہ کی کھجوروں کا تیسرا حصہ تمہیں دے دیا جائے گا۔ انہوں نے آمادگی کا اظہار کیا۔ ابھی یہ بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو مشورہ کے لیے طلب فرمایا۔ وہ حاضر ہوئے تو انہیں ساری گفتگو سے خبردار کر دیا گیا۔ انہوں نے عرض کی: اے ہمارے آقا! اگر یہ معاہدہ حضور کو پسند ہے اور خوشی کا باعث ہے تو ہمیں منظور ہے۔ اگر یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے تو بھی ہمیں مجالِ انکار نہیں۔ اگر حضور محض ہماری سلامتی کے پیش نظر یہ معاہدہ کر رہے ہیں، تو پھر ہم یہ معاہدہ کرنے کے لیے تیار نہیں۔ جب ہم کافر اور مشرک تھے اس وقت بھی ہم ان قبائل کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ بطورِ مہمان یا خرید کر تو یہ مدینہ کی کھجوریں کھا سکتے تھے، ویسے زبردستی کسی کو کھجور کا ایک دانہ لینے کی بھی جرأت نہیں تھی۔ اب تو ہمیں اللہ تعالیٰ نے عزتِ اسلام سے مشرف کیا ہے۔ ہماری غیرتِ ایمانی اور حمیّتِ اسلامی کب گوارا کر سکتی ہے کہ وہ یونہی ہماری کھجوروں میں حصہ دار بن جائیں۔ رحمتِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں نے محض تمہاری سلامتی کے پیشِ نظر ان سے یہ بات چیت شروع کی ہے۔ اس تاریک ماحول میں، ان صبر آزما مشکلات میں غیرت و جرأت کا یہ مظاہرہ دیکھ کر حضور کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ انہوں نے عرض کی: وَاللّٰهِ لَا نُعْطِيهِمْ اِلَّا السَّيْفَ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُمْ: ہمارے پاس انہیں دینے کے لیے صرف تلوار ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان اور ان کے درمیان فیصلہ فرمائے۔

اہلِ ایمان کے صبر و خلوص کا جب امتحان ہو چکا تو نُصرتِ خداوندی رونما ہونے لگی۔ بنی غطفان کا ایک نوجوان نعیم بن مسعود بن عامر بن غطفان بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا، اور عرض کرنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو نورِ ایمان سے منور کر دیا ہے۔ میرے مسلمان ہونے کی کسی کو خبر نہیں۔ اگر میں کسی خدمت کے قابل ہوں تو ارشاد فرمایئے دل و جان سے حاضر ہوں۔ حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تم تنہا تو اس آڑے وقت میں اسلام کی کوئی نمایاں خدمت نہیں کر سکتے۔ البتہ اگر کسی طرح تم دشمن کی صفوں میں انتشار پیدا کر دو تو یہ ہماری بڑی

Marfat.com

امداد ہوگی۔ اَلْحَرْبُ خَدْعَةٌ، یہ جنگ ہے اور جنگ میں ایسی تدبیر جائز ہے۔ نعیم کے بنی قریظہ کے ساتھ گہرے مراسم تھے۔ وہ اپنے قبیلہ سے کھسک کر ان کے ہاں گیا اور انہیں جا کر کہا: میری جو دلی محبت اور دیرینہ تعلقات تمہارے ساتھ ہیں ان کا تمہیں بخوبی علم ہے۔ انہوں نے کہا: بیشک ہمیں تم پر کسی قسم کا شبہ نہیں۔ پھر اس نے بڑے رازدارانہ انداز میں کہا قریش اور غطفان کے قبائل مدینہ پر حملہ کے لیے آئے ہیں اور تم نے مسلمانوں سے دوستانہ معاہدہ توڑ کر ان کی امداد کا اعلان کر دیا۔ لیکن تمہاری اور ان کی حالت یکساں نہیں۔ تمہاری یہاں رہائش ہے، تمہارے بال بچے، مال ومنال، زمین ومکان سب یہیں ہیں۔ تم کسی حالت میں انہیں چھوڑ کر یہاں سے نہیں جا سکتے۔ لیکن ان کے اہل وعیال اور مال ومتاع یہاں سے بہت دور اپنے اپنے علاقہ میں محفوظ ہیں۔ انہیں موقع ملا تو وہ مسلمانوں پر حملہ کرینگے اور کامیابی کی صورت میں ان کی ہر چیز پر قبضہ کر لیں گے بصورت دیگر وہ یہاں سے چلے جائیں گے اور تمہیں تنہا چھوڑ دیں گے۔ خود سوچ لو کیا ایسی صورت میں تم تنہا اس شخص کا مقابلہ کر سکتے ہو؟ میرا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ تم جنگ چھڑنے سے پہلے انہیں کہو کہ وہ چند مقتدر لوگ تمہارے پاس بطورِ یرغمال بھیج دیں تا کہ تمہیں یقین ہو جائے کہ وہ کسی حال میں تمہیں مسلمانوں کے رحم وکرم پر چھوڑ کر اپنے وطن نہیں لوٹیں گے۔ یہود قریظہ اس کی بات سے بڑے متاثر ہوئے۔ کہنے لگے: قَدْ اَشَرْتَ بِنُصْحٍ: تم نے ہمیں صحیح مشورہ دیا ہے۔

وہاں سے نکل کر وہ قریش کے پاس آیا اور ابوسفیان اور چند چیدہ قریشیوں سے جا کر ملا اور کہا: میرے تمہارے ساتھ عرصہ دراز سے دوستانہ مراسم ہیں، اسے تم خوب جانتے ہو۔ اور پیغمبرِ اسلام سے مجھے جو عداوت ہے وہ بھی تمہیں معلوم ہے۔ مجھے ایک خبر ملی ہے۔ دوستی اور محبت کا تقاضا یہ ہے کہ میں تمہارے گوش گزار کر دوں۔ لیکن خدارا کسی کو نہ بتانا اور یہ راز فاش نہ کرنا۔ انہوں نے اسے یقین دلایا کہ یہ راز افشا نہیں ہونے دیا جائے گا۔ نعیم نے کہا کہ تم جانتے ہو بنی قریظہ کا دوستانہ معاہدہ مسلمانوں کے ساتھ تھا جو انہوں نے توڑ دیا اور تمہارے ساتھ مل گئے۔ اب وہ اس عہد شکنی پر بڑے پچھتا رہے ہیں۔ انہوں نے اظہارِ ندامت کرتے ہوئے معاہدہ کی تجدید کے لیے گفت وشنید شروع کر دی ہے۔ انہوں نے حضور کو کہا ہے کہ ہم اپنی وفاداری کے اظہار کے لیے قریش اور غطفان کے چند مقتدر آدمی کسی طرح بلا کر آپ کی خدمت میں پیش کر دینگے۔ آپ

Marfat.com

ان کو قتل کر دیجیے۔ پھر ہم آپ کے ساتھ مل کر کفار پر حملہ کر دیں گے اور انہیں مار بھگائیں گے۔ پیغمبرِ اسلام نے ان کی یہ تجویز منظور کر لی ہے۔ اگر یہودی تم سے بطورِ رہن چند آدمی طلب کریں، تو خبردار! ایک آدمی بھی نہ بھیجنا۔ بعینہٖ یہ بات اس نے غطفان کے سرداروں کو جا کر بتائی۔

اتفاق کی بات ہے کہ ہفتہ کی رات کو ابوسفیان نے عکرمہ بن ابی جہل اور ورقہ بن غطفان کو چند دوسرے سرداروں کے ساتھ یہود کے پاس روانہ کیا اور انہیں کہلا بھیجا کہ ہم یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتے۔ حالتِ سفر میں ہمارے جانور ہلاک ہو رہے ہیں۔ خود بھی ہم طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔ محاصرہ کو اب مزید طول دینا ہمارے لیے ممکن نہیں۔ اس لیے اب مزید تاخیر کیے بغیر ہمیں کوئی فیصلہ کن قدم اٹھانا چاہیے۔ کل ہم سامنے سے مسلمانوں پر حملہ کریں گے اور تم پیچھے سے ہلہ بول دو تاکہ اس مخمصہ سے جان چھوٹے اور ہم فارغ ہو کر اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں۔ یہود نے جواب دیا کہ کل یومِ سبت (ہفتہ) ہے اور ہم اس روز کوئی کام نہیں کرتے۔ دوسرا ہم مسلمانوں سے دشمنی کا خطرہ مول لینے سے پہلے یہ یقین کرنا چاہتے ہیں کہ تم کسی وقت ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ کر چلے نہیں جاؤ گے اور ہمیں تب یقین آئے گا جب چند معزز آدمی تم ہمارے پاس بطورِ رہن بھیج دو۔ اگر تمہیں یہ شرط منظور نہیں، تو پھر ہم محمد (فداہٗ ابی وامی) کے مقابلہ کی تاب نہیں رکھتے۔ تم تو کل گھروں کو چلے جاؤ گے۔ ہم یہاں سے بھاگ کر کہاں سر چھپائیں گے؟ جب وفد نے بنی قریظہ کی گفتگو ابوسفیان وغیرہ کو جا کر بتائی، تو وہ کہنے لگے کہ بخدا نعیم نے جو اطلاع ہمیں دی تھی وہ درست ہے۔ ابوسفیان نے ان کی یہ شرط ماننے سے صاف صاف انکار کر دیا۔ اس طرح بنی قریظہ کو یقین ہو گیا کہ نعیم نے جو مشورہ دیا تھا، وہ صحیح تھا۔ انہوں نے حملہ آور لشکر کو کہلا بھیجا کہ جب تک تم اپنے آدمی بطورِ یرغمال ہمارے پاس نہیں بھیجو گے ہم تمہارا ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ وہ ایک دوسرے سے بدگمان ہو گئے اور اسلام کے خلاف ان کا اتحاد پارہ پارہ ہو گیا۔

جاڑے کا موسم تھا۔ بلا کی سردی پڑ رہی تھی، سامانِ رسد بھی آہستہ آہستہ ختم ہو رہا تھا۔ یہود کے ساتھ تعلقات بھی ٹوٹ چکے تھے۔ حوصلے پست اور ہمت ٹوٹ چکی تھی۔ ایک رات کو سخت آندھی آئی۔ ان کے خیموں کی طنابیں ٹوٹ گئیں۔ ہانڈیاں الٹ گئیں۔ گھوڑے رسے تڑا کر بھاگ نکلے۔ سارے لشکر میں سراسیمگی پھیل گئی۔ وہ سمجھے کہ یہ تند و تیز آندھی انہیں تباہ کر کے رکھ دے گی۔

Marfat.com

ابوسفیان جو اس ساری شرارت کا سرغنہ تھا، اپنے اونٹ پر سوار ہوا اور کہا: یارو! میں تو جا رہا ہوں۔ تم بھی کوچ کرو۔ تم دیکھ نہیں رہے کہ جھکڑ کیا قیامت ڈھا رہا ہے۔ ابوسفیان پر ایسی بدحواسی طاری تھی کہ اونٹ پر سوار ہونے سے پہلے اس کا عقال (رسہ) کھولنا یاد نہ رہا۔ جب اس نے اسے ایڑ لگا کر اٹھانا چاہا تب اسے پتہ چلا کہ اس کا پاؤں رسی سے بندھا ہوا ہے۔ اسی حالت میں اس نے عقال کو تلوار سے کاٹا اور سر پر پاؤں رکھ کر وہاں سے بھاگ نکلا۔ قریش اور غطفان نے جب اپنے کمانڈر انچیف کو یوں بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دیکھا، تو انہوں نے بھی بھاگ جانے میں عافیت سمجھی۔

حضرت حذیفہ نے ابوسفیان اور اس کے لشکر کے فرار کا آنکھوں دیکھا حال بارگاہِ رسالت میں عرض کیا، تو رحمتِ مجسم علیہ الصلوٰۃ والسلام خوشی سے ہنس پڑے۔ یہاں تک کہ حضور کے دندان مبارک کی سپیدی ظاہر ہوگئی۔ مسلمان جب صبح بیدار ہوئے اور لشکرِ کفار کے پڑاؤ کی طرف دیکھا تو وہاں ٹوٹی ہوئی طنابوں، الٹی ہوئی ہانڈیوں، بجھی ہوئی آگ اور بکھرے ہوئے سامان کے سوا کوئی چیز نظر نہ آئی۔ کفر کی کالی گھٹا نا پید ہو چکی تھی۔ یثرب نگر کا مطلع صاف ہو چکا تھا۔ جہاں سورج کی سنہری کرنیں مسرت، کامیابی اور اطمینان کی نوید سنا رہی تھیں (1)۔

یہ ان حالات کا اجمالی خاکہ ہے جن میں یہ آیات نازل ہوئیں اس کی روشنی میں اگر آپ ان آیات کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو ان کا مفہوم سمجھنے میں بڑی آسانی ہوگی۔

علامہ ابنِ کثیر فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اگر حضور کو رحمت للعالمین بنا کر نہ بھیجا ہوتا تو یہ آندھی لشکرِ کفار کے ہر سپاہی کو ہلاک کر دیتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ رحمۃ للعالمینی کے طفیل کفار کو بھی عذابِ الٰہی سے پناہ ملی (2)۔ اَللّٰهُمَّ اَحْيِنَا عَلٰى دِيْنِهٖ وَاَمِتْنَا عَلٰى مِلَّتِهٖ وَ احْشُرْنَا فِيْ زُمْرَتِهٖ تَحْتَ لِوَاءِ حَمْدِهٖ وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلٰى حَبِيْبِكَ الْمُكَرَّمِ وَ رَسُوْلِكَ الْمُعَظَّمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ

تم پر کیا۔ جب (حملہ آور ہو کر) آ گئے تھے تم پر (کفار کے) لشکر۔ پس ہم نے بھیج دی ان پر آندھی اور ایسی فوجیں جنہیں تم دیکھ نہیں سکے تھے۔ ۱۷

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، جلد 7، صفحہ 289-305
2۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، جلد 3، صفحہ 71-470 (مفہوم)

Marfat.com

وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ

اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے تھے خوب دیکھ رہا تھا۔ ۱۸۔ جب انہوں نے ہلہ بول دیا تھا تم پر اوپر کی طرف سے بھی اور

۱۷۔ اے فرزندانِ اسلام! کیا تم اللہ تعالیٰ کے اس انعام کو فراموش کر سکتے ہو؟ جو اس نے اس وقت تم پر فرمایا جب عرب کے سارے قبائل ایک لشکرِ جرار کی صورت میں تم پر حملہ آور ہوئے تھے۔ ان کے مقابلہ میں تمہاری تعداد بھی بہت کم تھی۔ تمہاری مالی حالت بھی بڑی کمزور تھی۔ تمہاری صفوں میں جو منافق گھسے ہوئے تھے، وہ بھی قدم قدم پر تمہیں اذیت پہنچا رہے تھے۔ بنو قریظہ نے کفار کے ساتھ ساز باز کر لی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان نازک اور ناگفتہ بہ حالات میں تمہاری امداد کے لیے جھکڑ اور تیز آندھی بھیج دی جنہوں نے کفار کے کیمپ میں کھلبلی مچادی، پھر فرشتوں کا ایسا لشکر بھیج دیا جنہیں تم دیکھ نہیں سکتے تھے۔ لیکن نعرہ ہائے تکبیر سے کفار کے دل دہل گئے۔ ان کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ ذلت آمیز پسپائی پر مجبور ہو گئے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی نصرت تم پر ترس نہ کھاتی تو کفار کا یہ ریلا تمہیں خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جاتا اور آج تمہارا نام و نشان بھی نہ ملتا۔

یہ احسان صرف ان مسلمانوں پر ہی نہیں جو اس روز حبیبِ خدا کے ہمرکاب تھے اور غزوۂ احزاب میں شریک تھے، بلکہ قیامت تک آنے والے ہر مسلمان پر ہے۔ اس لیے سب فرزندانِ اسلام پر فرض ہے کہ وہ اس احسان کو ہمیشہ یاد رکھیں اور شکرِ الٰہی میں کوتاہی نہ کریں۔ اور اگر کبھی ان حالات سے انہیں دوچار ہونا پڑے تو مایوس اور دل شکستہ نہ ہو جائیں، بلکہ اپنے ربِ کریم پر کامل بھروسہ کر کے کفر کے مقابلے میں ڈٹے رہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضور کے جان نثار صحابہ کی برکت سے ان کی بھی ضرور مدد فرمائے گا۔

۱۸۔ جس جان نثاری کا تم نے ثبوت دیا، بھوک اور سردی کی شدت میں پیٹ پر پتھر باندھ کر جس طرح تم نے خندق کھود کر تیار کی، ایک ماہ تک جس طرح تم کفر کی سرکش لہروں کے سامنے سینہ سپر رہے، اللہ تعالیٰ ان تمام حالات کو دیکھتا رہا۔ جب تم نے اپنی بندگی کا حق ادا کر دیا، تو اس کی شانِ بندہ نوازی نے تمہیں فتحِ مبین عطا فرمائی۔

ایک مخلص کارکن کے لیے یہ بات کتنی ہمت افزا ہے کہ اس کا کریم رب اس کی ہر کوشش کو دیکھ رہا ہے۔ دنیا اگر اس سے باخبر نہ ہو اور اس کی قدر نہ کرے، جب رب کریم دیکھ رہا ہے اور وہ

Marfat.com

قدر افزائی فرما رہا ہے، تو پھر مزید کسی چیز کی خواہش باقی نہیں رہتی۔

اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ

تمہارے نیچے کی طرف سے بھی اور جب مارے دہشت کے آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے ۱۹ اور تم

تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝۱۰ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا

اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگ گئے۔ ۲۰ اس موقع پر خوب آزما لیا گیا ایمان والوں کو اور وہ خوب سختی سے جھنجھوڑے

شَدِيْدًا ۝۱۱ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

گئے۔ ۲۱ اور اس وقت کہنے لگے تھے منافق اور جن کے دلوں میں روگ تھا کہ

مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ۝۱۲ وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ

نہیں وعدہ کیا تھا ہم سے (فتح کا) اللہ اور اس کے رسول نے مگر صرف دھوکہ دینے کیلئے ۲۲ اور یاد کرو جب کہتی پھرتی تھی، ان میں سے ایک جماعت

۱۹ یعنی دشمن نے ہر طرف سے تمہیں گھیر لیا تھا۔ صورت حال اتنی بھیانک تھی کہ دہشت کے مارے آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ خوف و ہیبت سے کلیجے منہ کو آ رہے تھے۔ حناجر جمع ہے۔ اس کا واحد حنجرہ ہے، حلق کی نچلی طرف کو حنجرہ کہتے ہیں۔ جب انسان حد درجہ خوفزدہ ہو تو اسے یوں محسوس ہوتا ہے کہ دل اچھل کر باہر نکل رہا ہے۔ وَاِشَارَةٌ اِلٰى مَا يُدَاخِلُهُمْ مِنَ الْخَوْفِ حَتّٰى اَظْلَمَتْ اَبْصَارُهُمْ (مفردات) یعنی خوف کی وجہ سے آنکھوں کا پتھرا جانا۔

۲۰ ان کلمات سے پتہ چلتا ہے کہ سب لوگوں کی سوچ اور اندیشے یکساں نہ تھے۔ منافق تو یہ خیال کر رہے تھے کہ اب اسلام کا درخت جڑوں سے اُکھڑ جائے گا۔ یہ آندھی اس چراغ کو بجھا دے گی۔ بزدل لوگ میدانِ جنگ سے بھاگنے کی تدبیریں کرنے لگے تھے۔ طرح طرح کے حیلے بہانے کر کے واپس لوٹنے کی اجازت طلب کرنے لگے تھے۔ بعض نے تو اجازت مانگنے کو بے جا تکلف خیال کیا۔ جونہی موقع ملا مورچہ کو خالی چھوڑ کر چپکے سے کھسک گئے۔ لیکن مردانِ پاکباز کا ایک ایسا گروہ بھی تھا جنہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے وعدوں پر پکا یقین تھا۔ حالات

Marfat.com

بیشک حوصلہ شکن تھے۔ فضا خطرات کے مہیب بادلوں سے اٹی ہوئی تھی، لیکن ان وفا کیشوں کے عزم وثبات میں ذرا فرق نہ آیا۔ ان اندھیروں میں ان کے نورِ یقین کی تابندگی دید کے قابل تھی۔

۲۱ آزمائش بڑی سخت تھی۔ ایک بھونچال تھا۔ ہر چیز تھر تھر کانپ رہی تھی۔ امتحان کی اس بھٹی سے مسلمان کندن بن کر نکل رہے تھے۔ جن لوگوں نے نفاق کا لباس پہنا ہوا تھا، وہ ننگے ہو کر سامنے آرہے تھے۔

۲۲ منافق دل میں تو خوش تھے کہ اچھا ہوا مسلمانوں کی بربادی کی گھڑی آگئی جس کا وہ بڑی بیتابی سے انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے پہلے سرگوشیاں کیں اور پھر لوگوں کے سامنے برملا یہ کہنا شروع کر دیا کہ وہ فتح اور کامیابی کا وعدہ کہاں گیا؟ اگلے روز تو یہ خوشخبریاں سنائی جارہی تھیں کہ تم قیصر وکسریٰ کے ممالک فتح کرو گے اور آج مدینہ میں اپنی جان کے لالے پڑے ہیں۔ لوگوں کو فریب دینے کے لیے وہ صرف باتیں ہی تھیں اور محض دھوکہ دیکر سادہ لوح لوگوں کو اپنے جتھہ میں شامل کرنا تھا۔ اس قسم کی ہرزہ سرائی میں بشیر بن معتّب ایک منافق پیش پیش تھا۔

يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ

کہ اے یثرب والو! تمہارے لیے اب یہاں ٹھہرنا ممکن نہیں (جان عزیز ہے) تو لوٹ چلو (اپنے گھروں کو)۔ ۲۳ اور اجازت مانگنے لگا ان میں سے ایک

النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ

گروہ نبی کریم سے یہ کہہ کر کہ (حضور) ہمارے گھر بالکل غیر محفوظ ہیں، حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے۔ ۲۴ (اس بہانہ سازی سے) ان کا ارادہ محض

اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا

(میدانِ جنگ سے) فرار تھا۔ ۲۵ اور اگر گھس آتے (کفار کے لشکر) ان پر مدینہ کے اطراف سے۔ پھر ان سے درخواست کی جاتی

الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ كَانُوْا

فتنہ انگیزی میں شرکت کی تو فوراً اسے قبول کر لیتے ۲۶ اور توقف نہ کرتے اس میں مگر بہت کم۔ ۲۷ حالانکہ یہی لوگ پہلے

Marfat.com

۲۳ منافقین کی سرگرمیاں مسلمانوں میں خوف و ہراس پھیلانے تک ہی محدود نہ تھیں، بلکہ وہ تو انہیں یہ مشورے بھی دینے لگے تھے کہ جان کی ضرورت ہے تو میدان چھوڑ کر چپکے سے گھر واپس چلے جاؤ۔ وہ اپنے دوستوں کو ناصح مشفق بن کر سمجھاتے کہ تم اچھے بھلے سیانے لوگ ہو۔ اپنی بے سروسامانی کو دیکھو، اپنی تعداد کی قلت کو دیکھو اور اُدھر دشمن کے ساز وسامان اور اس کی ٹھاٹھیں مارتی ہوئی فوجوں کو دیکھو کہ جب حرکت میں آتی ہیں تو زمین کانپنے لگتی ہے۔ حملہ ہونے کی دیر ہے، وہ مسلمانوں کو پیس کر رکھ دیں گی۔ یارو! ایسی کشتی کے سوار کیوں بنتے ہو جو ڈوب رہی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ جیسے بن پڑے یہاں سے نکل جاؤ، ورنہ پھر یہ نہ کہنا کسی نے ہمیں بروقت مشورہ نہ دیا تھا۔

۲۴ دشمنوں کے اس پراپیگنڈے کا اثر بھی ظاہر ہونے لگا تھا۔ وہ لوگ جن کے دلوں میں نفاق کا روگ تھا یا جو کمزور اور بزدل تھے وہ گھر لوٹنے کے لیے طرح طرح کے حیلے بہانے کرنے لگے۔ کوئی آ کر کہتا: یارسول اللہ! ہمارے گھر بالکل غیر محفوظ ہیں۔ ہوسکتا ہے دشمن کسی وقت حملہ کردے اور ہمارے بال بچوں کو تہ تیغ کردے اور ہمارا گھر بار لوٹ لیا جائے۔ مہربانی فرما کر ہمیں اجازت دیجیے کہ ہم واپس جا کر اپنے گھروں کی حفاظت کریں۔

۲۵ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے محبوب! یہ سب ان کی حیلہ سازیاں ہیں۔ ان کے گھر محفوظ ہیں۔ انہیں کسی قسم کا خطرہ نہیں، صرف میدانِ جہاد سے بھاگنے کے لیے بہانے بنا رہے ہیں۔

۲۶ اگر خدانخواستہ دشمن کا لشکر شہر میں داخل ہو جائے اور وہ انہیں مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی دعوت دے تو یہ لوگ اس اسلام دشمنی کے باعث جو ان کے دلوں میں پوشیدہ ہے اسی وقت ہتھیار سجا کر دشمن کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں گے، پھر نہ انہیں اپنے بال بچے کا خیال ستائے گا اور نہ اپنے گھروں کی حفاظت کا فرض یاد رہے گا۔ تمام چیزوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اسلام کو مٹانے کے جوش میں کفار کے لشکر میں شریک ہو جائیں گے۔ ان آیات میں کفار و منافقین کی ذہنیت کا کتنا حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا جا رہا ہے اور ان کے اندازِ فکر اور طریقِ کار کی کیسی صحیح تصویر کھینچی جا رہی ہے۔

۲۷ کفار کی دعوت پر لبیک کہنے میں وہ صرف اتنی مہلت مانگیں گے کہ گھروں میں رکھے ہوئے ہتھیار لے آئیں اور پوری طرح مسلح ہو کر اسلام کو مٹانے کے لیے ان کے لشکر میں شریک

ہو جائیں۔

عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَ كَانَ عَهْدُ اللّٰهِ

اللہ تعالیٰ سے وعدہ کر چکے تھے کہ وہ پیٹھ نہیں پھیریں گے۔ ۲۸ اور اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا جاتا ہے

مَسْـُٔوْلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ

اس کے متعلق ضرور باز پرس کی جاتی ہے۔ ۲۹ فرما دیجیے: (اے بھگوڑو!) تمہیں نفع نہیں دے گا بھاگنا اگر تم بھاگنا چاہتے ہو موت سے یا

الْقَتْلِ وَ اِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ

قتل سے اور (اگر بھاگ کر تم نے جان بچا بھی لی) تو تم لطف اندوز نہ ہو سکو گے مگر تھوڑی مدت۔ ۳۰ فرمایئے: کون بچا سکتا ہے تمہیں

۲۸ آج تو ان کا یہ عالم ہے کہ بھاگ جانے کی تدبیریں سوچ رہے ہیں لیکن پہلے تو بڑے لمبے چوڑے دعوے کیا کرتے تھے اور خدا کی قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ہم اسلام کے لیے جان دے دیں گے، خون کا آخری قطرہ تک بہا دیں گے، سر کٹا دیں گے مگر پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیں گے۔ کہاں گئے ان کے وعدے اور کہاں گئے ان کے دعوے؟ منافقوں کا ہمیشہ یہی شعار ہوتا ہے کہ جب باتیں بنانے کا وقت ہوتا ہے تو زمین و آسمان کے قلابے ملا کر رکھ دیتے ہیں اور اپنے اخلاص اور بہادری کے بارے میں ایسی ڈینگیں مارتے ہیں کہ سننے والا حیران ہو جاتا ہے۔ لیکن جب عمل کا وقت آتا ہے تو ان کی قلعی کھل جاتی ہے اور ان کا غلیظ باطن آشکارا ہو جاتا ہے۔

۲۹ وہ یہ گمان نہ کریں کہ جو وعدے انہوں نے خداوند عالم سے کیے تھے انہیں بھلا دیا جائے گا۔ اور ان سے کسی قسم کی باز پرس نہیں ہوگی۔ ان کا یہ خیال غلط ہے، اللہ تعالیٰ ان سے ہر بات کے متعلق باز پرس کرے گا۔

۳۰ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے محبوب! انہیں کہیے کہ اگر تم موت اور قتل سے بچنے کے لیے میدانِ جنگ سے بھاگ جانا چاہتے ہو، تو تمہارے جیسا نادان اور کون ہوگا؟ یاد رکھو! موت سے کسی کو مفر نہیں۔ یہاں میدانِ جنگ میں قتل ہونے سے اگر آج تم بچ بھی گئے تو کیا پھر ہمیشہ کے لیے زندہ رہو گے؟ آج نہیں تو کل بہر حال تم نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ اس لیے چند روزہ

Marfat.com

زندگی کے لیے اپنے نام پر بزدلی اور نامردی کی تہمت نہ لگنے دو۔

مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَ

اللہ تعالیٰ سے؟ اگر وہ تمہیں عذاب دینے کا ارادہ کر لے یا اگر وہ تم پر رحمت فرمانا چاہے۔ ۳۱ اور

لَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷﴾ قَدْ

نہیں پائیں گے وہ لوگ اپنے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار۔ ۳۲ اللہ تعالیٰ

يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ

خوب جانتا ہے جہاد سے روکنے والوں کو تم میں سے اور انہیں جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں

(اسلامی کیمپ چھوڑ کر)

اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۸﴾ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚ فَاِذَا

ہماری طرف آ جاؤ ۳۳ اور خود بھی جنگ میں شرکت نہیں کرتے مگر برائے نام۔ ۳۴ پرلے

درجے کے کنجوس ہیں تمہارے معاملہ میں۔ ۳۵ پھر

۳۱ سن لو اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کسی عذاب کے شکنجہ میں کسنا چاہے تو کوئی ایسا نہیں جو تمہیں زبردستی چھڑا لے۔ اور اگر وہ تمہیں اپنی کسی نوازش سے سرفراز کرنا چاہے تو کسی کی مجال نہیں کہ وہ رکاوٹ بن کر کھڑا ہو جائے۔ اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً سے پہلے یہ عبارت مقدر ہے مَنْ ذَا الَّذِیْ یُصِیْبُكُمْ بِسُوْءٍ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً۔ لیکن اختصار کے لیے اسے مقدر کر دیا کیونکہ ہر ذی فہم یہ سمجھ سکتا ہے۔ عرب کہتے ہیں مُتَقَلِّدًا سَیْفًا وَّ رُمْحًا (1)۔

۳۲ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنی امداد کا ہاتھ کھینچ لیا اور اپنی تائید سے محروم کر دیا تو پھر کون تمہاری امداد کرے گا؟ اس لیے جھوٹی امیدوں میں گرفتار ہو کر اپنے آپ کو خواہ مخواہ عذاب کا مستحق نہ بنا دو۔

۳۳ تعویق کہتے ہیں کسی کو کسی کام سے پھیر دینا۔ معوق پھیرنے والا، موڑنے والا (2)۔ منافقین کو بتایا جا رہا ہے کہ تم لوگوں کے دلوں میں خوف و ہراس پیدا کرتے ہو اور انہیں اسلام کے درخشاں مستقبل سے بدظن کرتے ہو اور جہاد میں شرکت سے روکتے ہو۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ تمہاری ان حرکتوں کا اللہ تعالیٰ کو علم نہیں؟ یقیناً وہ تمہاری جملہ سازشوں سے باخبر ہے اور تمہیں وہ سزا مل کر

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، جلد 7، صفحہ 307 2۔ ایضاً، جلد 7، صفحہ 308

Marfat.com

رہے گی جس کے تم مستحق ہو۔

۳۴ تم محض دکھلاوے کے لیے دن بھر میں ایک آدھ چکر میدانِ کارزار میں لگا جاتے ہو۔ اللہ تعالیٰ اس حقیقت سے بے خبر نہیں۔ وہ تمہاری چالوں کو خوب جانتا ہے۔

۳۵ حالتِ جنگ اور امن میں منافقین کا جو رویہ ہے اس کا مزید انکشاف کیا جا رہا ہے۔ اَشِحَّةٌ جمع ہے شَحِیْحٌ کی۔ اس کے دو معنی ہیں بخیل اور حریص۔ یہاں پہلا معنی مراد ہے اور اگلی آیت میں اس کا دوسرا معنی مراد ہے۔

صاحبِ لسان العرب لفظ شُحٌّ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شُحٌّ صرف بخل کو نہیں کہتے بلکہ شدید بخل کو کہتے ہیں۔ اَلشُّحُّ اَشَدُّ الْبُخْلِ اور بعض علماء لغت نے شُحٌّ اور بخل کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مال خرچ کرنے میں کنجوسی کو تو بخل کہتے ہیں، لیکن مال خرچ کرنے اور کسی کے ساتھ بھلائی کرنے میں کنجوسی کو شُحٌّ کہتے ہیں۔ اَلْبُخْلُ بِالْمَالِ وَالشُّحُّ بِالْمَالِ وَالْمَعْرُوْفِ (1) یعنی غریب اور مسکین مسلمانوں کی امداد کے لیے یا جہاد کی تیاری کے لیے انہیں مال دینے کی دعوت دی جاتی ہے تو ایک دمڑی خرچ کرنا بھی ان کے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔ پرلے درجہ کی کنجوسی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

جَآءَ الْخَوْفُ رَاَیْتَهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ تَدُوْرُ اَعْیُنُهُمْ كَالَّذِیْ
جب خوف (ودہشت) چھا جائے تو آپ انہیں ملاحظہ فرمائیں گے کہ وہ آپ کی طرف یوں دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں چکرا رہی
یُغْشٰی عَلَیْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ
ہوتی ہیں اس شخص کی مانند جس پر موت کی غشی طاری ہو۔ ۳۶ پھر جب خوف دور ہو جائے تو تمہیں سخت اذیت پہنچاتے ہیں اپنی تیز زبانوں سے۔
حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَیْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَمْ یُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ؕ
بڑے حریص ہیں مالِ غنیمت کے حصول میں۔ ۳۷ (درحقیقت) یہ لوگ ایمان ہی نہیں لے آئے۔ ۳۸ پس اللہ نے ضائع کر دیئے ہیں ان کے اعمال۔ ۳۹

1۔ لسان العرب، جلد 2، صفحہ 495

Marfat.com

۳۶ اور جب خوف طاری ہوتا ہے تو پھر ان کی حالت دیدنی ہوتی ہے۔ آنکھیں گھومنے لگتی ہیں اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ موت کے فرشتہ نے اپنا ہاتھ ان کی شہ رگ پر رکھ دیا ہے اور وہ دبوچ رہا ہے۔ مرنے والے کی جو حالت ہوتی ہے وہی ان بزدلوں کا حال ہوتا ہے۔ کنجوسوں کی بزدلی کی کتنی صحیح تصویر کھینچی گئی ہے۔

اپنے ہاں کے دولتمندوں کو دیکھیے کہ انہیں اپنے پڑوس میں بسنے والے مسکینوں اور اپنے خاندان کے خستہ حال یتیموں اور بیواؤں پر کبھی ترس نہیں آتا۔ ان کے لیے ایک کوڑی خرچ کرنا بھی انہیں مشکل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جب اشتراکیت کے علمبردار ان کی فیکٹریوں پر دھاوا بول دیتے ہیں اور ان کو اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں، اس وقت ان کا حال بعینہٖ وہی ہوتا ہے جو اس آیت میں مذکور ہے۔ کاش! امت کے اغنیاء اپنے غریب اور محتاج بھائیوں کی امداد فیاضی سے کریں اور یتیم بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت کا فریضہ ادا کریں، تو قطعاً انہیں ان روح فرسا حالات سے دوچار نہ ہونا پڑے۔

۳۷ جب جانباز مجاہدین کی کوششوں سے دشمن پسپا ہو جاتا ہے تو ان کے ہوش ٹھکانے لگتے ہیں۔ اس وقت ان کی خسیس فطرت دوسرے روپ میں ظاہر ہوتی ہے۔ مالِ غنیمت میں سے زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کے لیے جھپٹنے لگتے ہیں۔ ان کی بھوکی للچائی ہوئی نظریں ہر چیز کو ہڑپ کرنے کے لیے بے چین ہو جاتی ہیں۔ یہ لوگ جانباز مجاہدوں پر طعن و تشنیع کے تیر برسانے لگتے ہیں۔ یوں پتہ چلتا ہے کہ اس فتح و کامیابی کا سہرا صرف ان باتونی لوگوں کے سر ہے۔ وہ مجاہدین جو فولادی چٹان بن کر دشمن کے سامنے سینہ تان کر کھڑے رہے اور دشمن کے ہر ہلہ کو پسپا کرتے رہے، ان کا اس فتح میں کوئی حصہ ہی نہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ تمہارا جنگی منصوبہ ناقص تھا۔ تم نے اپنا فرض ادا کرنے میں غفلت برتی ہے، تم نے گولا بارود استعمال کرنے میں بڑے اسراف سے کام لیا ہے، تم نے دشمن کو قتل کرنے میں انسانی جذبات کا احترام نہیں کیا وغیرہ وغیرہ۔ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس طرح ان بہادروں کے کردار کو داغدار اور مشکوک ثابت کر دیں اور اپنی بدعملی کے باوجود سارا کریڈٹ خود لے لیں۔

سَلَقَ کا لغوی معنی تو یہ ہے کہ کسی چیز سے چمٹ جانا، لیکن اس کا استعمال عیب جوئی اور طعن و تشنیع کرنے میں ہوتا ہے اَلْسِنَۃ کا واحد لِسَان ہے ''زبان''۔ حِدَادٌ: نہایت تیز دھار۔ اس جملے

Marfat.com

کا مطلب یہ ہے کہ ان کی اس عیب جوئی اور الزام تراشی میں عفو و درگزر کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ تیز دھار والی تلوار کی طرح ان کی زبانیں بڑی بے رحمی سے ان پر پیہم برستی رہتی ہیں۔

آپ نے اگر کبھی نکمے لوگوں کو مخلص کارکنوں پر الزامات لگاتے دیکھا ہو تو بالکل یہی منظر آپ کو دکھائی دیا ہوگا۔ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ: مالِ غنیمت میں سے زیادہ سے زیادہ حصہ لینے کے لیے آپ ان کو حریص پائیں گے۔ یہاں یہ لفظ (اَشِحَّةً) دوسرے معنی (حریص) میں مستعمل ہوا ہے۔ دونوں جگہ اَشِحَّةً منصوب ہے۔ یا تو یہ حال ہے یا مخصوص بالذم۔ کیونکہ دونوں جگہ اس کا معنی علیحدہ علیحدہ ہے اس لیے تکرار کا اعتراض بے جا ہے (1)۔

۳۸ بتا دیا کہ اس قسم کی کمینہ حرکتیں صرف انہی لوگوں سے صادر ہوتی ہیں جن کے سینے میں نورِ ایمان نہیں ہوتا۔ جب ایمان کا چراغ جگمگانے لگتا ہے تو انسان اس قسم کی رذیل حرکتیں نہیں کر سکتا۔

۳۹ لوگوں کو دکھانے کے لیے اگر وہ کچھ نیک عمل کرتے ہیں تو وہ باطل قرار دے دیئے جاتے ہیں۔

وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۹﴾ يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ

اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے بالکل آسان ہے۔ (دشمن بھاگ گیا لیکن یہ بزدل) یہی خیال کر رہے ہیں کہ ابھی جتھے

يَذْهَبُوْا ۚ وَ اِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي

نہیں گئے۔ ۴۰ اور اگر جتھے (دوبارہ پلٹ کر) آجائیں تو یہ پسند کریں گے کہ کاش! وہ صحرا میں

الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ؕ وَ لَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا

بدوؤں کے ہاں ہوتے۔ (آنے جانے والوں سے) تمہاری خبریں پوچھتے۔ ۴۱ اور اگر یہ (بزدل) تم میں موجود بھی ہوتے تو یہ (دشمن سے) جنگ نہ

۴۰ ان کی بزدلی کا ایک اور منظر پیش کیا جا رہا ہے کہ شجاعت و بہادری کی ڈینگیں مارنے والوں کا حال یہ ہے کہ جب سے دشمن کا لشکرِ جرار مدینہ طیبہ کے باہر خیمہ زن ہوا رستم و سہراب کے یہ فرزند دبک کر اپنے تہ خانوں میں جا بیٹھے۔ اب دشمن سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ بھی گیا ہے لیکن یہ

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جلد 21، صفحہ 165 (مفہوم)

Marfat.com

ابھی تک اپنے بلوں میں گھسے بیٹھے ہیں اور باہر نکلنے کا نام نہیں لیتے۔ انہیں بار بار بتایا جارہا ہے کہ مطلع صاف ہو چکا ہے، اب کوئی خطرہ نہیں نکل آؤ اپنی ان بلوں سے لیکن انہیں یقین نہیں آتا۔

۴۱ خدانخواستہ اگر چند قبائل اکٹھے ہو کر پھر حملہ کر دیں تو یہ اپنا سر پیٹ لیں اور واویلا کرتے ہوئے کہیں: کاش! ان مضبوط اور خوبصورت مکانات اور ان مرمریں آرام دہ محلات کے بجائے وہ کسی صحرا میں بدوؤں کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہوتے۔ جہاں دشمن کے حملہ کا ہر وقت دھڑکا لگا نہ ہوتا۔ آیت میں بادون ''بدو'' سے ہے۔ اس کا معنی جنگل میں نکل جانا اور وہاں آباد ہو جانا ہے۔ یُقَالُ بَدَا یَبْدُوْ بَدْوًا بَدَاوَۃً اِذَا خَرَجَ اِلَی الْبَادِیَۃِ(1)۔ اَلْاَعْرَابُ: سُکَّانُ الْبَادِیَۃِ خَاصَّۃً وَالْوَاحِدُ مِنْھُمُ الْاَعْرَابِیُّ نِسْبَۃٌ اِلَی الْاَعْرَابِ۔ (المنجد)(2) یعنی جنگل میں رہنے والوں کو اعراب کہتے ہیں، اس کا واحد اعرابی ہے۔

اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۲۰﴾ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ

کرتے مگر برائے نام۔ بیشک تمہاری رہنمائی کے لیے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے۔ ۴۲ یہ نمونہ اس کے لیے ہے

۴۲ نظریات جب تک صرف نظریات ہوں نہ ان کے حسن و قبح کا صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے، نہ ان میں یہ کشش اور جاذبیت پائی جا سکتی ہے کہ وہ کسی کو عمل پر ابھار سکیں۔ دلائل کے آپ انبار لگا دیجیے، فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیجیے لوگ تحسین و آفرین ضرور کریں گے، لیکن ان نظریات کو اپنانے اور اس اپنانے کی جو ذمہ داریاں ہیں اور ان ذمہ داریوں کو نباہنے کی رہ میں جو خطرات ہیں ان کو وہ اٹھانے کے لیے آمادہ نہیں ہوں گے۔ اسلام فلسفیانہ نظریات کا مجموعہ نہیں کہ آپ اپنے ڈرائنگ روم میں آرام دہ صوفوں پر بیٹھ کر انہیں موضوعِ بحث بنائیں۔ اپنے ذہنِ رسا سے طرح طرح کی ترمیمیں پیش کریں۔ مجلسِ مذاکرہ منعقد کر کے مقالے پڑھیں اور پھر یہ سمجھ لیں کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ بلکہ یہ تو ایک نظامِ حیات ہے جو زندگی کے ہر موڑ پر راہنمائی کرتا ہے اور ہر مرحلہ پر پیغام دیتا ہے۔ اس پر عمل کرنا اور اس کی تعلیمات پر کاربند ہونا اس وقت تک آسان نہیں جب تک ایک عملی نمونہ ہمارے پاس نہ ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لیے صرف قرآن نازل کرنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس کی تبلیغ کرنے کے لیے اپنے

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، جلد 7، صفحہ 309 2۔ المنجد، صفحہ 495

Marfat.com

محبوب کو منتخب فرمایا تا کہ وہ ارشاداتِ خداوندی پر خود عمل کر کے دکھائے اور ان پر عمل کرنے سے زندگی میں جو زیبائی اور نکھار پیدا ہوتا ہے اس کا عملی نمونہ پیش کرے تا کہ جو حق کے متلاشی ہیں وہ قرآنی تعلیمات کی عملی تصویر دیکھ کر اس کو اپنے سینہ سے لگالیں۔

یہ آیت اپنے الفاظ کے اعتبار سے عام ہے۔ اسے زندگی کے کسی ایک شعبہ کے ساتھ وابستہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن جس موقع پر اس کا نزول ہوا، اس نے اس کی اہمیت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ یہ آیت غزوۂ خندق کے ایام میں نازل ہوئی جب کہ دعوتِ حق پیش کرنے والوں کے راستہ میں پیش آنے والی ساری مشکلات اور آلام و مصائب پوری شدّت سے رونما ہو گئے۔ دشمن سارے عرب کو ساتھ لے کر آدھمکا ہے۔ یہ حملہ اتنا اچانک ہے کہ اس کو پسپا کرنے کے لیے جس تیاری کی ضرورت ہے اس کے لیے خاطر خواہ وقت نہیں۔ تعداد کم ہے۔ سامانِ رسد کی اتنی قلت ہے کہ کئی وقت فاقہ کرنا پڑتا ہے۔ مدینہ کے یہودیوں نے عین وقت پر دوستی کا معاہدہ توڑ دیا ہے۔ ان کی غداری کے باعث حالات مزید پیچیدہ ہو گئے ہیں۔ دشمن سیلاب کی طرح بڑھا چلا آ رہا ہے۔ اس کے پہنچنے سے قبل مدینہ طیبہ کی مغربی سمت کو خندق کھود کر محفوظ بنا دینا از حد ضروری ہے۔

ان حالات میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کے دوش بدوش موجود ہیں۔ خندق کھودنے کا موقع آتا ہے، تو ایک عام سپاہی کی طرح خندق کھودنے لگتے ہیں۔ مٹی اٹھا اٹھا کر باہر پھینک رہے ہیں۔ دوسرے مجاہدین کی طرح فاقہ کشی کی تکلیف بھی برداشت فرماتے ہیں۔ اگر صحابہ نے پیٹ پر ایک پتھر باندھ رکھا ہے تو شکمِ رسالت پر دو پتھر بندھے دکھائی دیتے ہیں۔ مہینہ بھر شدید سردی میں میدانِ جنگ میں صحابہ کے ساتھ دن رات قیام فرما ہیں۔ دشمن کے لشکرِ جرار کو دیکھ کر بھی پریشان نہیں ہوتے۔ بنو قریظہ کی عہد شکنی کا علم ہوتا ہے تب بھی جبینِ سعادت پر بل نہیں پڑتے۔ منافقین طرح طرح کی حیلہ سازیوں سے میدانِ جنگ سے راہِ فرار اختیار کرنے لگتے ہیں تب بھی پریشانی نہیں ہوتی۔ ان تمام ناگفتہ بہ حالات میں عزم و استقامت کا پہاڑ بنے کھڑے ہیں۔ قدم قدم پر صحابہ کی دلجوئی فرماتے ہیں۔ منافقین سے صرفِ نظر کرتے ہیں۔ دشمن کو مرعوب کرنے کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا جاتا۔

پھر جنگی اور سیاسی خطوط پر ایسی تدبیریں کی جاتی ہیں کہ دشمن آپس میں ٹکرا جاتا ہے اور حملہ آور خود بخود محاصرہ اٹھا کر ایک دوسرے پر گالیوں کی بوچھاڑ کرتے ہوئے، ایک دوسرے پر

Marfat.com

غدّاری اور عہد شکنی کے الزامات لگاتے ہوئے بھاگ جاتا ہے۔ غرضیکہ یہ ایک ماہ کا عرصہ ایسا ہے کہ محبوبِ رب العالمین ﷺ کی سیرت طیبہ کے سارے پہلو اپنی پوری دلفریبیوں کے ساتھ اجاگر ہو جاتے ہیں۔ اس وقت یہ آیت نازل فرمائی گئی کہ ان مہیب خطرات میں تم نے میرے پیارے رسول کا طریقۂ کار دیکھ لیا۔ یہ کتنا راستبازانہ، سچا اور اخلاص وللّٰہیت کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ یہی تمہاری زندگی کے ہر موڑ پر تمہارے لیے ایک خوبصورت نمونہ ہے۔ اس کے نقش قدم کو خضرِ راہ بنالو۔ اس کے دامنِ شفقت کو مضبوطی سے تھام لو، یقیناً منزل تک پہنچ جاؤ گے۔

اُسْوَۃٌ کے لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ ابن منظور لکھتے ہیں۔ اَلْاِسْوَۃُ وَالْاُسْوَۃُ اَلْقُدْوَۃُ یعنی پیشوا، راہنما، امام۔ اس کا دوسرا معنی یوں رقم فرمایا ہے: اَلْاُسْوَۃُ وَالْاِسْوَۃُ لُغَتَانِ وَھُوَ مَا یَتَاَسّٰی بِہِ الْحَزِیْنُ اَیْ یَتَعَزّٰی بِہٖ (1)۔ یعنی جس سے کوئی غمزدہ اور شکستہ دل تسلی حاصل کر سکے۔ یعنی غمگسار۔

حضور کی ذاتِ اقدس میں تمہارے لیے شانِ غم گساری ہے۔ علامہ جوہری نے صحاح میں بھی یہی معنی کیا ہے۔ اَلْاِسْوَۃُ وَالْاُسْوَۃُ بِالْکَسْرِ وَالضَّمِّ لُغَتَانِ ھِیَ مَا یَتَاَسّٰی بِہِ الْحَزِیْنُ یَتَعَزّٰی بِہٖ (2)۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں: اَلْاُسْوَۃُ اَلْقُدْوَۃُ وَالْاُسْوَۃُ مَا یُتَاَسّٰی بِہٖ اَیْ یُتَعَزّٰی فَیُقْتَدٰی بِہٖ فِیْ جَمِیْعِ اَحْوَالِہٖ وَ یُتَعَزّٰی بِہٖ فِیْ جَمِیْعِ اَفْعَالِہٖ وَ یُتَعَزّٰی بِہٖ فِیْ جَمِیْعِ اَحْوَالِہٖ وَقَدْ شُجَّ وَجْھُہٗ وَکُسِرَتْ رُبَاعِیَتُہٗ وَقُتِلَ عَمُّہٗ وَجَاعَ بَطْنُہٗ وَلَمْ یَلْفِ اِلَّا صَابِرًا مُحْتَسِبًا وَشَاکِرًا رَّاضِیًا (3)۔

ترجمہ: اسوہ کا ایک معنی راہنما ہے اور اس کو بھی اسوہ کہتے ہیں جو غمزدہ دل کی تسلی کا باعث ہو۔ حضور ﷺ کا رخِ انور زخمی کیا گیا، دندانِ مبارک توڑے گئے، حضور کے چچا کو شہید کیا گیا۔ بھوک برداشت کی۔ لیکن ان تمام حالات میں صابر و شاکر رہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے طلب گار اور اس کی قضا پر راضی۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا رَاَ
جو اللہ تعالیٰ سے ملنے اور قیامت کے آنے کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہے۔ ۴۳ (منافقین کا حال آپ پڑھ چکے)
۴۳ ہر آدمی کے لیے حضور بہترین نمونہ نہیں بلکہ ان نیک بختوں کے لیے جو اللہ تعالیٰ سے

1۔ لسان العرب، جلد 14، صفحہ 35-36 2۔ الصحاح، جلد 6، صفحہ 2268
3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جلد 14، صفحہ 155-56

Marfat.com

ملنے کی اور روزِ محشر دوبارہ زندہ ہونے کی امید رکھتے ہیں وہی اس بہترین نمونہ سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ انہی کے دلوں کو جمالِ مصطفوی اپنی طرف کھینچ سکتا ہے۔

الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَ

اور جب ایمان والوں نے (کفار کے) لشکروں کو دیکھا تو (فرطِ جوش سے) پکار اٹھے: یہ ہے وہ لشکر جس کا وعدہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا تھا۔ اور

صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾ مِنَ

سچ فرمایا تھا اللہ اور اس کے رسول نے۔ اور دشمن کے لشکر جرار نے ان کے ایمان اور جذبۂ تسلیم میں اور اضافہ کر دیا۔ ۴۴ اہل

الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ

ایمان میں ایسے جوانمرد ہیں جنہوں نے سچا کر دکھایا جو وعدہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا۔ ۴۵ ان جوانمردوں سے کچھ تو

قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ لِّيَجْزِيَ

اپنی نذر پوری کر چکے ۴۶ اور بعض (اس ساعتِ سعید کا) انتظار کر رہے ہیں۔ ۴۷ (جنگ کے مہیب خطرات کے باوجود) ان کے رویہ میں ذرا تبدیلی نہیں ہوئی

۴۴ ان خوفناک حالات میں منافقین کی بزدلی اور بد باطنی کا ذکر ہوا۔ اب اہلِ ایمان کے ایمان افروز حالات اور جذبات کا بیان شروع ہو رہا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے محبوب کے قدموں میں اپنی جان اور اپنا دل نثار کر دیا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ کفار کا لشکرِ جرار دیکھ کر اور اپنے آپ کو مہیب خطرات میں گھرا دیکھ کر مسلمانوں کے یقین اور ایمان میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ نورِ ایمان میں اور جلا پیدا ہو گئی۔ قضائے الٰہی کے سامنے تسلیم و رضا کا جو درس انہیں دیا گیا تھا وہ پھر تازہ ہو گیا اور کہنے لگے: یہ تو بعینہٖ وہی چیز ہے جس کا وعدہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا۔ جس طرح اس حملہ کا وعدہ پورا ہوا اسی طرح غلبۂ اسلام کا وعدہ بھی یقیناً پورا ہو گا۔ جس وعدہ کا یہاں ذکر ہے، گزشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ جب خندق کھودتے ہوئے چٹان نمودار ہوئی تو حضور نے تین ضربیں لگا کر اسے پارہ پارہ کر دیا نیز شام، ایران اور یمن کی فتح کی خوش

خبری بھی دے دی۔

۴۵ رِجَالٌ پر تنوین تعظیم کی ہے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو قوت و مردانگی میں بے نظیر تھے۔ یُقَالُ فُلَانٌ رَجُلٌ فِیْ رِجَالٍ اَیْ کَامِلُ الرَّجُوْلِیَّةِ بَیْنَهُمْ (المنجد)(1) یعنی اہلِ ایمان میں ایسے جواں مرد اور پاکباز عشاق بھی ہیں جنہوں نے اپنے ربِ کریم سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کر دکھایا۔ خندق کھودتے ہوئے مل کر وجد آفریں لہجہ میں وہ یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا عَلَی الْجِهَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا(2)

وہ صرف لاف زنی نہ تھی بلکہ جب وقت آیا تو انہوں نے سر کٹا کر، جان دے کر اپنے دعوئے محبت کی لاج رکھ لی اور قیامت تک آنیوالے عاشقانِ باصفا کے لیے ایک زندہ مثال قائم کر دی۔ کسی قیمت پر انہوں نے اپنے ایمان پر حرف نہیں آنے دیا۔

۴۶ نَحْبٌ کہتے ہیں نذر اور عہد کو۔ لبید کا شعر ہے:

أَلَاتَسْأَلَانِ الْمَرْءَ مَاذَا یُحَاوِلُ اَنَحْبٌ فَیُقْضٰی اَمْ ضَلَالٌ وَّبَاطِلُ

کیا تم اس سے نہیں پوچھتے کہ وہ کیا ارادہ کر رہا ہے؟ کیا اس نے کوئی وعدہ کیا ہے جسے پورا کیا جائے گا یا یہ صرف گمراہی اور جھوٹی لاف زنی ہے(3)

یعنی بعض تو وہ بیدار بخت ہیں کہ انہوں نے سرفروشی اور جانبازی کی جو نذر مانی تھی اسے پورا کر دیا اور جان دے کر شہداء کی صف میں شامل ہو گئے۔ اسلام کے ان جانباز مجاہدین کا شمار نہیں کیا جا سکتا جس کو دیکھو محبتِ رسول اور عشقِ خدا کے بادۂ گلفام سے مخمور ہے اور جریدۂ عالم پر عشق و وفا کے ایسے تابندہ نقوش ثبت کر کے جا رہا ہے جن کی چمک قیامت تک ہر لمحہ فزوں تر ہوتی رہے گی۔

حضرت مصعب بن عمیر اپنے مالدار باپ کے بڑے لاڈلے بیٹے تھے، بڑے خوش پوش تھے، ان کا زرق برق قیمتی لباس آنکھوں کو خیرہ کر دیتا تھا، ناز و نعم میں پلے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی نگاہِ کرم نے انہیں اسلام کے لیے چن لیا۔ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر درِ مصطفٰے کی غلامی اختیار کی۔ انصارِ مدینہ نے جب عقبہ کے میدان میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ حق پرست پر بیعت کی تو حضور نے ہجرت سے پہلے حضرت مصعب کو ان کے ہمراہ یثرب روانہ کیا تا کہ وہاں جا کر اسلام کی تبلیغ

1۔ المنجد، صفحہ 251 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، جلد 7، صفحہ 292
3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جلد 14، صفحہ 60-158 (مفہوم)

Marfat.com

کریں۔ ان کی تبلیغی سرگرمیوں سے اوس وخزرج کے کئی سردار مشرف با سلام ہوئے اور گھر گھر میں توحید کا نور جگمگانے لگا۔ کوہِ احد کی ترائی میں جب کفر حق سے پنجہ آزما ہوا تو یہ بھی دیگر غلامانِ حبیبِ کبریا کی طرح شوقِ شہادت سے جھومتے ہوئے دادِ شجاعت دینے لگے۔ کیف ومستی کا یہ عالم تھا کہ اپنے تن بدن کا ہوش نہ تھا۔ اپنی ذات کا فکر نہ تھا۔ صرف ایک ہی دھن تھی کہ اسلام کا پرچم سرنگوں نہ ہونے پائے، اللہ تعالیٰ کے حبیبِ کریم کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ زخموں سے چور ہو کر گرے اور جامِ شہادت نوش فرمایا۔ جنگ ختم ہوئی تو محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سر بالیں تشریف لائے۔ اسلام کے اس بہادر سپاہی کی نعش کے قریب کھڑے ہو گئے۔ اس کے لیے دعا فرمائی اور پھر یہ آیت تلاوت کی: مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ (الآیہ) پھر فرمایا: اَشْهَدُ اَنَّ هٰؤُلَاءِ شُهَدَاءُ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأْتُوْهُمْ فَزُوْرُوْهُمْ وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَايُسَلِّمُ عَلَيْهِمْ اَحَدٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ اَلَّا رَدُّوْا عَلَيْهِ (قرطبی عن بیہقی) یعنی حضور نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں یہ لوگ قیامت تک شہید ہیں۔ پس ان کے پاس آؤ۔ ان کے مزارات کی زیارت کرو۔ اس ذاتِ پاک کی قسم! جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے قیامت تک جو بھی انہیں سلام کرے گا، وہ جواب دیں گے (1)۔

حضرت انس بن نضر کو بدر میں شریک نہ ہونے کا از حد ملال تھا۔ ہمیشہ کہتے کہ افسوس کہ میں کفر واسلام کے پہلے معرکہ میں شرکت سے محروم رہا۔ اب اگر خدا نے موقع دیا تو دنیا دیکھے گی کہ شمعِ جمالِ مصطفےٰ علیہ اطیب التحیہ والثنا کے پروانے جاں سپاری کا کیسا منظر پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ جنگِ احد میں شامل ہوئے۔ لشکرِ اسلام میں جب کھلبلی مچی اور یہ افواہ پھیل گئی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو گئے تو بعض مسلمان دل شکستہ ہو کر بیٹھ رہے۔ یہ پاس سے گزرے، پوچھا یوں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا: حضور شہید ہو گئے۔ آپ نے انہیں للکارا کہ رسولِ پاک کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے؟ آؤ اس بات پر ہم بھی جان دے دیں جس پر حضور نے جان دیدی ہے۔ پھر تلوار بے نیام کی اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ کفار پر پے در پے وار کرتے جا رہے تھے اور زبان سے یہ کہتے جا رہے تھے: يَا سَعْدُ! هَا وَرِيْحُ الْجَنَّةِ وَرَبِّ النَّضْرِ وَاِنِّىْ لَاَجِدُ رِيْحَهَا دُوْنَ اُحُدٍ۔ اے سعد! نضر کے رب کی قسم! مجھے جنت کی خوشبو آ رہی ہے اور مجھے یہ خوشبو کوہِ احد کے

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، جلد 7، صفحہ 310

Marfat.com

پیچھے سے آ رہی ہے۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ جب ان کے زخم گنے گئے تو اسی ۸۰ سے زیادہ تھے اور کوئی عضو بھی سلامت نہ بچا تھا کہ ان کی پہچان ہو سکے۔ ان کی ہمشیرہ نے ان کی انگلیوں کے پورے دیکھ کر انہیں پہچانا(1)۔

تپید یک دم و کردند زیب فتراکش خوشا نصیب غزالے کہ زخم اوکاریست

۷۴ اور جو لوگ میدانِ جہاد سے سلامت واپس آئے انہیں اپنے صحیح وسلامت واپس آنے پر خوشی نہیں ہے، بلکہ وہ شہادت سے محرومی کے باعث بڑے غمزدہ اور دل گرفتہ ہیں اور وہ اس سہانی گھڑی کا بڑی بے تابی سے انتظار کر رہے ہیں جب وہ خونِ شہادت سے سرخرو ہو کر بارگاہِ رب العزت میں حاضر ہوں گے۔

انہی جانثاروں کی بے لوث اور بے دریغ قربانیوں کے باعث اسلام کو یہ عزت وشوکت نصیب ہوئی۔ انہوں نے اپنے خون ناب سے آبیاری کر کے شجرِ اسلام کو سدا بہار بنایا، انہی کی کوششوں کی برکت سے آج ہمیں ایمان کی نعمت نصیب ہے، لیکن امت میں ایک ایسا بدقسمت فرقہ بھی پیدا ہو گیا ہے جو خود تو اسلام کے لیے کچھ کر نہیں سکتے، الٹا اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اسلام کے لیے باعث ننگ وعار ہیں، ہر قدم خلاف شریعت اٹھاتے ہیں، سنتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے تارک ہیں، شکل، عمل، سیرت اور کردار سے اسلام کا منہ چڑا رہے ہیں، لیکن ان وفا شعار غلامانِ مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ والثناء اور دین کے جوانمرد سپاہیوں پر زبانِ طعن دراز کرنا کمالِ ایمان خیال کرتے ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ ان اولوالعزم ہستیوں کو جتنا برا کہیں گے اتنا ہی ان کے گناہ جھڑیں گے اور ان کے رتبے بلند ہوں گے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ زبانِ قدرت تو ان کی تعریف میں رطب اللسان ہے، قرآن کے صفحات تو ان کی پاک باطنی کی شہادت دے رہے ہیں، فرشتے ان کی شجاعت، بسالت، سخاوت اور عدالت کی قسمیں کھا رہے ہیں، حورانِ فردوس ان کی راہ میں اپنی آنکھیں بچھانے کے لیے بے تاب ہیں اور اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والا بے عمل انسان ان پر کیچڑ اچھالنے سے باز نہیں آتا۔

لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ

(اذنِ جہاد میں ایک حکمت یہ بھی ہے) کہ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے اپنا وعدہ سچا کرنیوالوں کو

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، جلد 7، صفحہ 311

Marfat.com

انکے سچ کے باعث ۴۸ اور عذاب دے منافقوں کو اگر اسکی

اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۲۴﴾ وَ رَدَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ

مرضی ہو یا ان کی توبہ قبول فرمالے۔ ۴۹ بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اور (ناکام) لوٹا دیا اللہ تعالیٰ نے

۴۸ اللہ تعالیٰ ان کی قربانیوں کو ضائع نہیں کرے گا بلکہ اپنی شانِ کریمی کے مطابق انہیں جزا دے گا۔

۴۹ باقی رہے منافقین تو ان کے متعلق جیسی اس کی مرضی ہوگی ایسا کرے گا، چاہے تو ان کی بداعمالیوں کے باعث انہیں قعرِ ضلالت میں گرا ہوا چھوڑ دے۔ اسی حالت میں انہیں موت آ جائے اور ہمیشہ کے لیے دوزخ میں پھینک دیئے جائیں۔ اور چاہے تو اپنی رحمت اور مہربانی سے انہیں خوابِ غفلت سے بیدار کر دے اور راہِ حق پر چلنے کی توفیق مرحمت فرما دے۔ وہ بڑا غفور رحیم ہے۔ اس کی شان پوزش پذیری اور اس کی صفتِ رحمت سے یہ چنداں بعید بھی نہیں کہ وہ ایسا کرم فرما دے اور ڈوبتے ہوؤں کا بازو پکڑ کر انہیں کنارے پر لگا دے۔

كَفَرُوْا بِغَیْظِهِمْ لَمْ یَنَالُوْا خَیْرًا ؕ وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ ؕ

کفار کو درآنحالیکہ اپنے غصہ میں (پیچ وتاب کھا رہے) تھے۔ (اس لشکر کشی سے) انہیں کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اور بچا لیا اللہ نے مومنوں کو جنگ سے۔ ۵۰

وَ كَانَ اللّٰهُ قَوِیًّا عَزِیْزًا ﴿۲۵﴾ وَ اَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ

اور اللہ تعالیٰ بڑا طاقتور، ہر چیز پر غالب ہے۔ اہلِ کتاب سے جن لوگوں نے کفار کی امداد کی تھی اللہ تعالیٰ نے

الْكِتٰبِ مِنْ صَیَاصِیْهِمْ وَ قَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِیْقًا

انہیں ان کے قلعوں سے اتار لیا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ ایک گروہ کو

تَقْتُلُوْنَ وَ تَاْسِرُوْنَ فَرِیْقًا ﴿۲۶﴾ وَ اَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَ دِیَارَهُمْ وَ

تم قتل کر رہے ہو اور دوسرے گروہ کو قیدی بنا رہے ہو۔ ۵۱ اور اس نے وارث بنا دیا تمہیں ان کی زمینوں، ان کے مکانوں اور

Marfat.com

۵۰ مسلمانوں پر اپنے خصوصی لطف و کرم کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ تم نے دیکھا کہ کفر کس طمطراق سے مدینہ پر حملہ آور ہوا تھا اور ہم نے کس طرح ان کو خائب و خاسر، مخذول و مردود کر کے بھاگ جانے پر مجبور کر دیا اور جنگ کی نوبت ہی نہیں آنے دی۔ اللہ تعالیٰ کی قوت و غلبہ کا تم نے نظّارہ کیا ہے۔ وہ اپنے بندوں کی اسی طرح چارہ سازی فرماتا ہے اور ان کے دشمنوں کو اسی طرح ذلیل و رسوا کرتا ہے۔

۵۱ آپ بنو قریظہ کی غداری اور عہد شکنی کا تذکرہ تفصیلاً پڑھ چکے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے عالمِ غیب سے اسباب پیدا کر کے ان کے منصوبوں کو خاک میں نہ ملا دیا ہوتا تو مسلمانوں پر جو گزرتی اس کا تصوّر کرنا مشکل نہیں، لیکن جب تقدیرِ الٰہی نے تدبیر کے شاطروں کو مات دیدی۔ قریش و غطفان اور بنی اسد وغیرہ قبائل اپنے جنگجو بہادروں سمیت پسپا ہو گئے تو اب بنو قریظہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ حضور ایک ماہ تک کھلے میدان میں کفار کے سامنے سینہ سپر رہنے کے بعد اپنے غلاموں سمیت گھروں میں پہنچے ہی تھے اور سر مبارک دھونے کی تیاری ہی فرما رہے تھے کہ جبرئیل نمودار ہوئے۔ عرض کی: یارسول اللہ! ہم نے تو ابھی تک ہتھیار اتارے ہی نہیں اور آپ نے اتار بھی دیئے۔ میں ملائکہ کے ایک گروہ کے ساتھ کفار کے تعاقب میں تھا اور انہیں روحاء تک بھگا کر واپس آیا ہوں اور حکمِ خداوندی یہ ہے کہ جب تک بنی قریظہ کا خاتمہ نہ کر لیا جائے اس وقت تک ہتھیار اتارنے کی اجازت نہیں۔ فرمانِ الٰہی ملتے ہی حضور نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ وہ اذان دے اور بلند آواز سے یہ اعلان کر دے مَنْ كَانَ سَامِعًا مُّطِيْعًا فَلَا يُصَلِّيَنَّ الْعَصْرَ اِلَّا بِبَنِي قُرَيْظَةَ (1)۔ یعنی ہر اطاعت گزار مسلمان عصر کی نماز بنی قریظہ میں ادا کرے۔ مدینہ طیبہ میں منادی کرنے کے لیے ایک اور آدمی دوڑایا جو یہ اعلان کر رہا تھا: يَا خَيْلَ اللهِ ارْكَبِيْ۔ اے اللہ تعالیٰ کے شہ سوارو! اپنے گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ۔ یہ اعلان سنتے ہی مسلمان ہتھیار سجائے اپنے گھروں سے نکلنے لگے۔ حضور گھوڑے پر سوار تھے جس کا نام ''لحیف'' تھا۔ سو صحابہ کے ایک دستے نے گھوڑوں پر سوار ہو کر حضور ﷺ کے اردگرد حلقہ بنا لیا جن کے پاس سواری کا انتظام نہ تھا وہ پیادہ چل پڑے۔ اس روز لشکرِ اسلام کا پرچم سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو عطا فرمایا گیا۔ یہ لشکر جلد ہی بنو قریظہ کی گڑھی کے قریب پہنچ گیا۔ حضرت علی نے قلعہ کی دیوار کے

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، جلد 7، صفحہ 314

Marfat.com

نزدیک پرچم گاڑ دیا۔ یہودیوں نے جب مسلمانوں کو آتے ہوئے دیکھا تو دروازے بند کر دیئے اور مرد وزن چھت پر چڑھ گئے اور مسلمانوں پر گالیوں کی بوچھاڑ کرنے لگے۔ حضرت اُسید بن حضیر نے ان کی اس حرکت پر غضبناک ہو کر فرمایا: یَا اَعْدَاءَ اللّٰہِ لَانَبْرَحُ عَنْ حُصُوْنِکُمْ حَتّٰی تَمُوْتُوْا جُوْعًا (1)۔ ''کہ اے اللہ کے دشمنو! ہم تمہارے قلعوں کا ایسا محاصرہ کریں گے کہ تم بھوکے مر جاؤ گے''۔ انہوں نے اپنی دیرینہ دوستی کا واسطہ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے اور تمہارے درمیان سب تعلقات منقطع ہو گئے ہیں۔ حضور نے رات وہاں بسر کی۔ صبح ہوتے ہی ان کے اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور مختلف مقامات پر تیرانداز بٹھا دیئے۔ یہود بھی پتھر اور تیر برساتے رہے۔ مسلمان بھی ان کا مؤثر جواب دیتے رہے۔ جب ان کی شرارت شدت اختیار کرنے لگی تو حضور کے ارشاد سے مسلمانوں نے انہیں باقاعدہ اپنی زد میں لے لیا۔ انہوں نے پتھر برسانے بند کر دیئے اور گفتگو کرنے کی اجازت طلب کی جو انہیں بخشی گئی۔

یہود نے نباش بن قیس کو اپنا نمائندہ بنا کر بارگاہِ رسالت میں بھیجا۔ اس نے آ کر کہا کہ جن شرائط پر آپ نے بنونضیر کو یہاں سے نکلنے کی اجازت دی تھی، انہی شرائط پر ہمیں بھی یہاں سے نکل جانے کی اجازت دے دیجیے۔ ہم اپنی عورتوں، بچوں اور بارِ شتر کے ساتھ مدینہ چھوڑ جاتے ہیں باقی ہر چیز آپ سنبھالیے۔ حضور نے انکار کر دیا۔ پھر اس نے کہا ہم سارا مال ومتاع یہاں چھوڑ جاتے ہیں، صرف ہماری جان بخشی کی جائے۔ یہ تجویز بھی مسترد کر دی گئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم اپنے متعلق میرا فیصلہ اگر ماننے کے لیے تیار ہو تو تمہارے ساتھ مفاہمت کی بات چیت کی جا سکتی ہے۔ وہ مشورہ کرنے کے لیے قلعہ میں واپس گیا اور سارا ماجرا انہیں کہہ سنایا۔ ان کے سردار کعب بن اسد نے کہا: اے میری قوم! تین تجویزیں ہیں ان میں سے کوئی ایک پسند کر لو۔ انہوں نے پوچھا بتایئے۔ اس نے کہا سب سے بہتر تو یہ ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ اب اس امر میں ذرا شبہ نہیں رہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہی رسولِ مکرم ہے جس کی بشارت اور ذکر ہماری کتابوں میں موجود ہے۔ آج تک محض حسد کے باعث ہم ان کی مخالفت کرتے رہے۔ اب وقت ہے ایمان لے آؤ۔ تم، تمہارا بال بچہ اور مال ومتاع سب بچ جائے گا اور نعمتِ ہدایت سے بھی مالا مال ہو جاؤ گے۔ میں تو مسلمانوں سے کیے ہوئے معاہدہ کو توڑنے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، جلد 7، صفحہ 316

Marfat.com

بد بخت (حیّی بن اخطب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کی نحوست نے ہمیں اس مصیبت میں مبتلا کیا۔ قوم نے کہا کہ ہم ایمان تو کسی قیمت پر لانے کے لیے تیار نہیں۔ اس نے کہا دوسری تجویز یہ ہے کہ اپنی عورتوں اور بچوں کو اپنی تلواروں سے کاٹ ڈالو اور پھر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑو۔ نتیجہ دیکھا جائے گا۔ قوم نے کہا ان معصوم بچوں اور عورتوں کو بلا گناہ ذبح کر دینا کہاں کی انسانیت ہے؟ ہم ایسا نہیں کریں گے۔ اس نے کہا تیسری تجویز یہ ہے کہ آج سبت کی رات ہے۔ مسلمانوں کو علم ہے کہ یہودی آج حملہ نہیں کریں گے، وہ بالکل مطمئن اور بے خوف وخطر بیٹھے ہوں گے۔ آؤ ان کی اس بے خبری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اچانک ان پر ہلہ بول دیں۔ ہوسکتا ہے کہ ہم انہیں شکست دے دیں۔ انہوں نے اس سے کہا کہ تو ہمیں سبت کی بے حرمتی کرنے کی ترغیب دے رہا ہے۔ پہلے جن لوگوں نے اس کی بے حرمتی کی تھی انہیں اس کی عبرتناک سزا ملی۔ ان کے سردار کعب نے کہا: مَا بَاتَ مِنْكُمْ مُنْذُ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ لَيْلَةً وَّاحِدَةً جَازِمًا: تم سب ہمیشہ سے گومگو کا شکار رہتے ہو۔ کسی چیز کے متعلق فیصلہ کن بات کرنے کی تم میں صلاحیت نہیں۔ پچیس دن تک محاصرہ جاری رہا۔ آخر کار جب وہ عاجز آ گئے اور ان میں تابِ مقاومت نہ رہی تو حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے کو قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ ان کے جوانوں کو الگ کر کے انہیں رسیوں میں جکڑ دیا گیا اور بچوں اور عورتوں کو الگ ایک محفوظ مقام پر پہنچا دیا گیا۔ مسلمان جب ان کے قلعہ میں داخل ہوئے تو انہوں نے اسلحہ کے وہ انبار دیکھے جو یہودیوں نے مسلمانوں پر عقب سے حملہ کرنے کے لیے تیار کر رکھے تھے۔ ان میں پندرہ سو تلواریں۔ دو ہزار نیزے۔ پانچ صد ڈھالیں اور دیگر اسلحہ تھا۔ اس کے علاوہ شراب کے مٹکوں کے مٹکے بھرے ہوئے رکھے تھے۔ شراب تو ساری کی ساری انڈیل دی گئی۔ دوسرے ساز وسامان پر قبضہ کر لیا گیا۔ ان میں کثیر التعداد مویشی اور اونٹ وغیرہ تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام الگ ایک جگہ تشریف فرما تھے کہ بنی اوس قبیلہ کا ایک وفد حاضر خدمت ہوا اور عرض کرنے لگا: یارسول اللہ! یہودی قبیلہ بنونضیر کے دوستانہ تعلقات بنی خزرج کے ساتھ تھے۔ ان کی سفارش پر حضور نے بنی نضیر کی جاں بخشی فرما دی اور ہر آدمی کو ایک بارِ شتر لے جانے کی بھی اجازت دے دی۔ بنی قریظہ کے ساتھ ہمارے قدیم سے دوستانہ تعلقات ہیں۔ اب وہ اپنی غلطی پر از حد پشیمان بھی ہیں۔ اس لیے حضور نے جس طرح بنوخزرج کی عزت افزائی

Marfat.com

فرمائی تھی اسی طرح ہماری وجہ سے ہمارے اس دوست قبیلہ کو بھی بخش دیں۔ وہ بار بار اپنی یہ درخواست پیش کرتے رہے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خاموش رہے۔ جب ان کا اصرار حد سے بڑھ گیا تو ارشاد فرمایا کہ کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ تمہارے قبیلہ اوس سے کوئی شخص ان کے متعلق فیصلہ کردے؟ انہوں نے عرض کی: بجا ہے۔ حضور نے فرمایا: میں سعد بن معاذ کو حکم مقرر کرتا ہوں۔ انہوں نے مسرت کا اظہار کرتے ہوئے عرض کی کہ منظور ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ یہودیوں نے خود حضرت سعد کا نام تجویز کیا تھا۔ حضرت سعد خندق میں زخمی ہو گئے تھے۔ حضور نے انہیں مسجد کے قریب رفیدہ کے خیمہ میں ٹھہرایا ہوا تھا۔ تاکہ اپنی نگرانی میں ان کی مرہم پٹی کرائی جائے اور ان کی عیادت میں آسانی ہو۔ بنی اوس اپنی حسبِ پسند حضرت سعد کو حکم مقرر کرا کے ان کو لینے کے لیے خیمہ میں گئے اور ایک گدھے پر سوار کر کے انہیں بارگاہِ رسالت میں لے آئے۔ راستہ میں آپ کو ہموار کرنے کی کوشش کرتے رہے کہ آپ حکم مقرر ہوئے ہیں۔ بنی قُریظہ سے ہمارے قدیمی دوستانہ تعلقات ہیں۔ ان کے ساتھ نرم برتاؤ کرنا۔ تم نے دیکھا نہیں بنی خزرج نے بنی نضیر کے ساتھ کیسا سلوک کیا تھا۔ جب انہوں نے افہام و تفہیم اور منت وسماجت کی حد کر دی تو سعد نے صرف اتنا جواب دیا:

قَدْ اٰنَ لِسَعْدٍ اَنْ لَّایَأْخُذَہٗ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃُ لَائِمٍ۔ ''اب سعد کا ایسا وقت آ گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اسے متأثر نہیں کر سکتی''۔ جب سعد کی سواری حضور کی قیام گاہ کے قریب پہنچی تو حضور نے حاضرین کو فرمایا: قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ۔ اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ سعد کو اتارا گیا۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اُحْکُمْ فِیْھِمْ یَا سَعْدُ! اے سعد! ان کے بارے میں فیصلہ کرو۔ انہوں نے عرض کی: اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَقُّ بِالْحُکْمِ: کہ اللہ اور اس کا رسول ہی فیصلہ فرمانے کا حق دار ہے۔ ارشاد ہوا: اَمَرَکَ اللّٰہُ اَنْ تَحْکُمَ فِیْھِمْ(1): اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم ان کے بارے میں فیصلہ کرو۔ سعد نے پھر اپنی قوم سے پوچھا کہ بنی قریظہ کے بارے میں جو حکم کروں تمہیں منظور ہے۔ انہوں نے کہا بیشک منظور ہے۔ آپ نے فرمایا: میرا فیصلہ تو یہ ہے کہ ان کے بالغوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے اور ان کے مال اور جائیدادیں مہاجرین وانصار میں تقسیم کر دی جائیں۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، جلد 7، صفحہ 320

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَقَدْ حَكَمْتَ فِيهِمْ بِحُكْمِ اللهِ مِنْ فَوْقِ سَبْعَةِ اَرْقِعَةٍ۔ اے سعد! تم نے وہی فیصلہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر فیصلہ فرمایا ہے۔ چنانچہ ان کو ان کی غداری، عہد شکنی اور دشمن سے ساز باز کرنے کے جرم میں قتل کر دیا گیا۔ ظَاهَرَ: عَاوَنَ: مدد کرنا۔ صَيَاصِيهِمْ جمع ہے اس کا واحد صِيصَةٌ ہے اس کا معنی قلعہ اور گڑھی ہے (1)۔

اَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾

ان کے مال و متاع کا اور وہ ملک بھی تمہیں دے دیئے جہاں تمہارے قدم ابھی نہیں پہنچے۔ ۵۲ اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا

اے نبی مکرم! آپ فرما دیجیے اپنی بیبیوں کو ۵۳ کہ اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی آرائش (و آسائش) کی خواہاں ہو

۵۲ تمہیں ان کی زمینوں اور مکانوں اور مال و متاع کا وارث بنا دیا اور ایسی زمین کی فتح بھی تمہارے مقدر میں لکھ دی جہاں تک ابھی تم نہیں پہنچے۔

۵۳ فخرِ کائنات، باعثِ ایجادِ عالم، سلطانِ دنیا و دین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خانگی زندگی صرف آرام و آسائش کے اسباب سے ہی خالی نہ تھی بلکہ ضروریاتِ زندگی بھی اکثر فراہم نہ ہوتی تھیں۔ مسلسل کئی دنوں تک چولہے میں آگ نہیں جلائی جاتی تھی اور کھجور وغیرہ پر بسر اوقات کی جاتی۔ اکثر جو کی روٹی یا گندم کے ان چھنے آٹے کی روٹی دسترخوان کی زینت ہوتی۔ لباس کا معاملہ بھی خوراک سے مختلف نہ تھا۔ موٹا جھوٹا جیسا میسر آیا خود بھی پہن لیا اور امہات المومنین کو بھی دے دیا۔ مسلمانوں کے مالی حالات جب تک ناسازگار تھے امہات المومنین بڑے صبر و شکر سے یہ سب کچھ برداشت کرتی رہیں۔ کوئی مطالبہ نہیں، کوئی فرمائش نہیں، کسی چیز کے نہ ملنے کا شکوہ نہیں، شکایت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب کی رفیقۂ حیات بننے کی سعادت پر زندگی کی ساری مسرتیں اور راحتیں انہوں نے قربان کر دی تھیں۔ اگرچہ وہ سب کی سب امیر والدین کی بیٹیاں تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ حضرت ابو بکر صدیق کی نورِ نظر تھیں جو مکہ کے خوشحال اور کامیاب تاجر تھے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، جلد 7، صفحہ 312

فاروقِ اعظم کی لختِ جگر تھیں جو اپنے قبیلہ کے سردار تھے۔ اسی طرح دیگر ازواجِ مطہرات کا بھی حال تھا۔ ماں باپ نے انہیں بڑے ناز و نعم سے پالا تھا۔ اس وقت وہاں کے معاشرہ میں جن آسودگیوں کا تصور کیا جا سکتا تھا وہ سب انہیں میسر تھیں اور ان کی پہلی ازدواجی زندگی بھی امیرانہ بلکہ شاہانہ ماحول میں بسر ہوئی تھی۔ یکا یک اس فرحت انگیز اور آرام بخش زندگی کو ترک کر کے امہات المومنین نے درویشانہ زندگی کو جس خوشی سے اپنایا اور جس خوبصورتی سے اسے نبھایا وہ انہی کا حصہ تھا۔ وہ اس فقر و درویشی کی زندگی پر ناز کرتیں اور ان ساری کُلفتوں کو اپنے لیے دارین کی سعادتوں کا باعث سمجھتیں۔

لیکن جب فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا اور مالِ غنیمت کثرت سے تقسیم ہونے لگا۔ عام مسلمانوں کی معاشی حالت تیزی سے بدلنے لگی۔ خصوصاً مدینہ کے یہودی قبائل بنی نضیر، قینقاع اور قریظہ کا مال و متاع، ان کی زرعی زمینیں، باغات اور رہائشی مکانات مسلمانوں میں بطور غنیمت تقسیم کیے گئے، تو مسلمانوں کی سابقہ محرومیاں اور تنگ دستیاں قصۂ ماضی بن گئیں۔ مسلمان خواتین کی بود و باش اور لباس و خوراک میں بھی خوش آئند تبدیلیاں پیدا ہو گئیں۔ اس وقت امہات المومنین نے اقلیمِ فقر و غنا کے تاجدار کے سامنے دامنِ طلب پھیلایا۔ علامہ ابو حیان لکھتے ہیں: فَقَعَدْنَ حَوْلَهٗ قُلْنَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بَنَاتُ كِسْرٰى وَ قَيْصَرَ فِي الْحُلِيِّ وَالْحُلَلِ وَالْإِمَاءِ وَ الْخَوَلِ وَ نَحْنُ عَلٰى مَا تَرَاهُ مِنَ الْفَاقَةِ وَالضِّيْقِ۔ یعنی ایک روز ازواجِ مطہرات حضور کے اردگرد بیٹھ گئیں اور عرض کی: یارسول اللہ! قیصر اور کسریٰ کی بیٹیاں زیور اور طرح طرح کے لباسوں میں ملبوس ہیں۔ ان کے پاس گولیوں اور خادموں کی کمی نہیں اور فقر و فاقہ کی وجہ سے ہمارا یہ حال ہے۔ اس لیے از راہِ کرم ہمیں بھی اب پہننے کے لیے اچھے لباس اور کھانے کے لیے لذیذ کھانا ضرور ملنا چاہیے۔ بنظرِ انصاف اگر دیکھا جائے تو اس میں قطعاً کوئی ناروا بات نہ تھی، کوئی بے ادبی کا پہلو نہ تھا۔ جب عام مسلمان خواتین اچھا کھانے لگی تھیں اور اچھا پہننے لگی تھیں تو ازواجِ مطہرات کا یہ مطالبہ کسی طرح بھی ناجائز نہ تھا۔ لیکن رحمتِ عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاطرِ عاطر پر یہ بھی ناگوار گزرا۔ حضور کی ذات عام حکمرانوں کی طرح نہ تھی جس کی کارگزاری کے اثرات اس کی اپنی ذات تک محدود ہوں۔ آپ تو ساری اولادِ آدم کے لیے قیامت تک راہنما تھے۔ اگر حضور اس قسم کے مطالبات کو تسلیم کر لیتے اور آپ کے اہلِ بیت کی خورونوش، لباس وغیرہ میں آرائش اور تکلف کا واہمہ تک بھی پایا جاتا تو آنے والے فرمانرواؤں کے لئے دروازہ کھل جاتا اور وہ تکلفات، تصنع اور آرائش کو سُنّتِ نبوی کہہ کر اپناتے اور

ایک ایسی ابتری اور بدنظمی رونما ہوتی جس کا تدارک ممکن نہ رہتا۔ حضور اپنے منصبِ بلند کو، اپنے مقامِ نبوت کی ذمہ داریوں کو ملاحظہ فرما رہے تھے اور قلبِ نازک پر یہ مطالبہ بھی گراں گزر رہا تھا۔ چنانچہ ایک روز صدیقِ اکبر کاشانہء نبوت میں حاضر ہوئے، ان کے بعد فاروقِ اعظم بھی آ گئے۔ دیکھا کہ ازواجِ مطہرات اردگرد حلقہ بنائے بیٹھی ہیں اور حضور بالکل خاموش درمیان میں تشریف فرما ہیں اور حضور کے چہرۂ اقدس پر ناگواری کے آثار ہیں۔ حضرت عمر نے سوچا اب ایسی بات کرنی چاہیے جس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہنس پڑیں اور اس افسردگی کا خاتمہ ہو۔ عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! اگر میری بیوی بنتِ خارجہ مجھ سے خرچہ مانگنے کی جرأت کرلے تو حضور دیکھیں گے کہ میں اُس کے سر کا قیمہ بنا کر رکھ دوں گا۔ یہ سن کر حضور ہنس دیئے اور مہرِ سکوت توڑتے ہوئے فرمایا: اے عمر انہیں دیکھو یہ میرے اردگرد اس لیے حلقہ بنائے بیٹھی ہیں کہ مجھ سے خرچ کا مطالبہ کریں۔ حضرت صدیق نے اپنی بیٹی حضرت عائشہ کو پکڑا اور ان کی گردن پر تھپڑ رسید کیے، اسی طرح حضرت عمر نے اپنی صاحبزادی حضرت حفصہ کو گردن سے پکڑ کر تھپڑ رسید کیے۔ اور کہا کہ کیا اس کے بعد تم حضور سے ایسی چیز کا سوال کرو گی جو حضور کے پاس نہ ہو؟ دونوں نے کہا آئندہ ہم ہرگز ایسا نہ کریں گی۔

اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انتیس یا تیس دن عزلت نشینی اختیار فرمالی۔ ایک ماہ بعد یہ آیات نازل ہوئیں۔ حضور بالا خانہ سے اُترے اور سب سے پہلے حضرت صدیقہ کے پاس تشریف فرما ہوئے۔ ارشاد فرمایا: اے عائشہ! میں آج تجھ سے ایک بات پوچھنے آیا ہوں۔ تم اس کے جواب میں جلدی نہ کرنا۔ جواب دینے سے پہلے اپنے والدین سے ضرور مشورہ کر لینا۔ انہوں نے عرض کی: ارشاد فرمایئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ دو آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ حضرت صدیقہ نے آیتیں سننے کے بعد گزارش کی: أَفِيْ هٰذَا أَسْتَأْمِرُ أَبَوَيَّ فَإِنِّيْ أُرِيْدُ اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ۔ کیا میں، اس معاملہ میں اپنے والدین سے مشورہ کروں گی؟ میں نے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور دارِ آخرت کو پسند کر لیا ہے۔ اس کے بعد حضور نے دیگر ازواج سے بھی یہی بات کہی۔ سب نے یہی جواب دیا۔ انسان قربان جائے حضور کی ازواجِ طاہرات اور مسلمانوں کی ماؤں پر جنہوں نے زندگی کی ساری لذتوں کو ٹھکرا دیا۔ فقر و فاقہ، غربت و درویشی کو قبول کیا اور مصطفٰے علیہ اطیب التحیۃ والثناء کی کنیز بننے کی سعادت کو نہ چھوڑا(1)۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، جلد 7، صفحہ 31-130۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، جلد 7، صفحہ 227

Marfat.com

باتیں کر لینا بہت آسان ہے لیکن کر کے دکھانا ہر کسی کے بس کا روگ نہیں۔

فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ﴿٢٨﴾ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ

تو آؤ تمہیں مال و متاع دے دوں اور پھر تمہیں رخصت کر دوں بڑی خوبصورتی کے ساتھ۔ ۵۴ اور اگر تم چاہتی ہو

اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا

اللہ کو اور اس کے رسول کو اور دارِ آخرت کو تو بیشک اللہ تعالیٰ نے تیار کر رکھا ہے ان کے لیے جو تم میں سے نیکوکار ہیں

عَظِيمًا ﴿٢٩﴾ يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ مَنْ يَأْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ

اجرِ عظیم۔ ۵۵ اے نبی کریم کی بیبیو! جس کسی نے تم میں سے کھلی ہوئی بیہودگی کی تو اس کے لیے

يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿٣٠﴾

عذاب کو دوچند کر دیا جائے گا اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ پر بالکل آسان ہے۔ ۵۶

۵۴ یعنی اگر تم دنیا اور متاعِ دنیا کو پسند کرو گی تو پھر کاشانۂ نبوّت کی زینت نہیں بن سکتیں۔ تمہیں علیحدہ کر دوں گا۔ لیکن علیحدگی بڑی خوبصورتی سے اور آبرومندانہ طریقے سے ہوگی۔ یہاں سے یہ سبق بھی دیا گیا کہ اگر تعلقات منقطع کرنے کا موقع آجائے، تو اس وقت بھی تمہارے ہاتھوں سے شائستگی کا دامن چھوٹنے نہ پائے۔

۵۵ تمام ازواجِ مطہرات نے بصد مسرت اپنے مطالبات ترک کر دیئے اور اللہ تعالیٰ، اس کے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دارِ آخرت کو پسند فرمایا اور وہ اس بشارت کی مستحق ہو گئیں جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔

صد حیف! ان کم فہموں اور بدبختوں پر جو اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پڑھ کر بھی ازواجِ مطہرات کی شان میں گستاخی اور ہرزہ سرائی سے باز نہیں آتے۔

۵۶ تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں ہو، ساری اُمّت کی بچیوں اور خواتین کے لیے تمہاری زندگی ایک نمونہ ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارا بڑا اُونچا مقام ہے۔ لیکن اس رفعتِ شان اور عظمتِ مقام کے تقاضے پورا کرنا بھی تم پر لازم ہے۔ خبردار! تمہارے اُجلے دامن پر کوئی داغ

Marfat.com

لگنے نہ پائے۔ اگر تم نے کوئی ایسی حرکت کی تو یاد رکھو تمہیں اس کی سزا بھی دگنی دی جائے گی۔ اور اللہ تعالیٰ پر ایسا کرنا کوئی مشکل نہیں۔

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ

اور جو تم میں سے فرماں بردار بنی رہی اللہ کی اور اس کے رسول کی اور نیک عمل کرتی رہی تو ہم اس کو

اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ

اس کا اجر بھی دوچند دیں گے اور ہم نے اس کے لیے عزت والی روزی تیار کر رکھی ہے۔ ۵۷ اے نبی کی ازواج (مطہرات!) تم

كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ

نہیں ہو دوسری عورتوں میں سے کسی عورت کی مانند اگر تم پرہیز گاری اختیار کرو۔ ۵۸ پس ایسی نرمی سے بات نہ کرو کہ طمع کرنے لگے وہ (بے حیا)

الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾ وَقَرْنَ فِيْ

جس کے دل میں روگ ہے ۵۹ اور گفتگو کرو تو باوقار انداز سے کرو۔ ۶۰ اور ٹھہری رہو اپنے

۵۷ اسی طرح تم میں سے جس نے اطاعت و فرمانبرداری کا شیوہ اختیار کیا اسے اجر بھی دگنا ملے گا اور اسے ہم باعزت رزق عطا فرمائیں گے۔

۵۸ یہاں پھر اس حقیقت کو دوسرے عنوان سے بیان کر دیا کہ تمہارا حال دوسری عورتوں کا سا نہیں۔ ان سے اگر کوئی غلطی ہو جائے تو اس کی وہ خود ذمہ دار ہیں اور مطعون ہوگی تو ان کی اپنی ذات مطعون ہوگی، لیکن اگر تم نے کوئی ایسی حرکت کی تو دامنِ نبوّت داغدار ہو جائے گا، رشد و ہدایت کا وہ چشمہ گدلا ہو جائے گا جس سے دنیا بھر کے پیاسوں نے پیاس بجھانی ہے، وہ آفتاب گہنا جائے گا جس کے مقدر میں ہمیشہ کے لیے سارے عالم کو منور کرنا ہے۔ تم ذرا ان بھیانک نتائج کا تصور کرو جو تمہاری معمولی سی لغزش پر مترتب ہو سکتے ہیں۔ تم ذرا ان مشکلات کا اندازہ لگاؤ جو تمہاری کج رَوی سے دعوتِ اسلامی کی راہ میں پیدا ہو سکتی ہیں۔ اس لیے جادۂ زیست پر ہر قدم پھونک پھونک کر رکھو، ہر کام سوچ سمجھ کے کرو، تقویٰ و پارسائی کا وہ بلند معیار قائم کرو کہ نکتہ چینوں کی آنکھیں پتھرا جائیں، لیکن انہیں کوئی داغ نظر نہ آئے، وہ اپنی زبان درازی کے باوجود

Marfat.com

اپنے آپ کو گونگا محسوس کریں۔

۵۹ اگر کسی مجبوری کے باعث تمہیں کسی نامحرم سے بات کرنی پڑے، تو اس کے ساتھ ایسے باوقار انداز سے بات کرو کہ اس کے بیمار دل میں کوئی فاسد خیال پیدا ہی نہ ہو۔ گفتگو کا لہجہ کئی غلط فہمیوں اور جسارتوں کا سبب بن سکتا ہے۔ اس دروازے کو ہی بند کر دیا۔

۶۰ اس کے ساتھ ساتھ گفتگو میں کوئی ایسی تلخی اور ناشائستگی بھی نہ ہو جسے شریعت ناپسند کرے اور لوگوں کی دل شکنی اور دلآزاری ہو۔

فَالْقَوْلُ الْمَعْرُوْفُ هُوَالصَّوَابُ الَّذِیْ لَاتُنْكِرُهُ الشَّرِيْعَةُ وَلَا النُّفُوْسُ۔ (قرطبی)(1)

بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى وَاَقِمْنَ

گھروں میں اور اپنی آرائش کی نمائش نہ کرو جیسے سابق دورِ جاہلیت میں رواج تھا۔ ۶۱ اور نماز قائم

۶۱ آیت میں جو اہم الفاظ ہیں پہلے ان کا مفہوم ذہن نشین کر لیجیے۔ اس کے بعد اس آیت کا مقصد اور مفہوم سمجھنے کی کوشش فرمایئے۔ وَ قَرْنَ: یہ لفظ یا قرار سے ماخوذ ہے یا وقار سے، دونوں سے مقصد یہ ہے کہ امہات المؤمنین کو اپنے گھروں میں سکون و وقار سے ٹھہرنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور بلاضرورت گھروں سے نکلنے کی ممانعت فرمائی جا رہی ہے اور زمانہء جاہلیت میں عورتیں جس طرح بن ٹھن کر بازاروں میں بے حجاب پھرا کرتی تھیں اور اپنے حسن و جمال کی نمائش کیا کرتی تھیں اس سے سختی سے روکا جا رہا ہے۔ اگرچہ یہاں خطاب صرف ازواج الرسول سے ہے لیکن اُمت کی ساری خواتین کے لیے یہی حکم ہے(2)۔ تَبَرُّجٌ: علامہ ابن منظور اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہر اونچی چیز جو دور سے نمایاں ہو، اس کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ وَكُلُّ ظَاهِرٍ مُّرْتَفِعٍ وَقَدْ بَرَجَ (لسان العرب)(3) بروج کو بھی بروج اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ دور سے دکھائی دیتے ہیں۔ اسی سے تبرج ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے عورت کا اپنے حسن و جمال اور آرائش کو غیر مردوں کے سامنے ظاہر کرنا۔ اَلتَّبَرُّجُ اِظْهَارُ الْمَرْأَةِ زِيْنَتَهَا وَمَحَاسِنَهَا لِلرِّجَالِ(4)۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں عورتیں ناز و ادا سے مٹکتی اور لچکتی ہوئی سرِ بازار ٹہلا

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جلد 14، صفحہ 178
2۔ ایضاً، جلد 14، صفحہ 79-178
3۔ لسان العرب، جلد 2، صفحہ 211
4۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 212

Marfat.com

کرتی تھیں۔اس سے باز رہنے کا حکم دیا جارہا ہے(1)۔

اسلام کے نزدیک عفت وعصمت کی جو قدر ومنزلت ہے۔اس کے پیشِ نظر یہ احکام صادر فرمائے جارہے ہیں۔ان راستوں کو ہی بند کیا جارہا ہے،ان اسباب کا ہی قلع قمع کیا جارہا ہے جن کے ذریعہ اس متاعِ گرانمایہ کے لُٹنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔کوئی زیرک قیمتی جواہرات رکھ کر اپنے گھر کے دروازے چوروں کے لیے نہیں کھولتا۔جو لوگ اس زعمِ باطل میں مبتلا ہیں کہ ان کے گھروں کی خواتین ،ان کی بچیاں، بہنیں پُختہ کردار کی مالک ہیں، وہ اگرچہ قیمتی اور بھڑکیلے ملبوسات پہن کر بے پردہ گھومتی رہیں تو ان کی عزت وآبرو پر کوئی آنچ نہیں آسکتی۔انہیں ہم نرم سے نرم الفاظ میں ''بھولا'' کہہ سکتے ہیں۔اور ان کا یہ بھولا پن انہیں ایک روز ایسے گڑھے میں پھینک دے گا جس سے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔فطرتِ انسانی کے حیوانی تقاضوں کی شدت سے ان کی دانستہ چشم پوشی انہیں ایسے بھیانک نتائج سے دوچار کردے گی کہ ان کا قلبی سکون برباد اور ذہنی توازن بگڑ کر رہ جائے گا۔اس وقت وہ پچھتائیں گے جب چڑیاں کھیت چُگ گئی ہوں گی۔اس وقت وہ زارزار روئیں گے،لیکن ان کو اپنے درد کا درماں نہیں ملے گا۔

اسلام نے مسلمانوں کو جو ثقافت اور تہذیب عطا کی ہے،وہ تو ان آیات میں مذکور ہے۔اب اگر ہمارے قائدین اپنی ملت کی بچیوں کو کوئی دوسری ثقافت سکھانا چاہیں اور مغربی تمدن و معاشرت کے آداب کی تعلیم دینا چاہیں تو ان کی مرضی۔اسلام نے ،قرآن نے اور حاملِ قرآن نے تو مسلمان عورتوں کو اس حیاسوز اور غیرت باختہ طرزِ معاشرت سے سختی سے روکا ہے۔بزار نے حضرت انس سے روایت کی ہے کہ عورتیں بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی:

''یارسول اللہ! مرد ساری فضیلتیں لے گئے۔جہاد میں شرکت کا شرف بھی صرف انہیں نصیب ہوتا ہے۔کیا کوئی عمل ایسا ہے جو ہم کریں اور ہمیں مجاہدین کا درجہ حاصل ہو''۔فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ:مَنْ قَعَدَتْ مِنْكُنَّ فِيْ بَيْتِهَا فَاِنَّهَا تُدْرِكُ عَمَلَ الْمُجَاهِدِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ارشاد فرمایا:تم میں سے جو عورت اپنے گھر میں بیٹھے گی اسے مجاہدین فی سبیل اللہ کا درجہ ملے گا۔(روح المعانی)(2)

1۔تفسیر قرطبی،زیرآیت ہذا،جلد14،صفحہ179

2۔روح المعانی،زیرآیت ہذا،جلد22،صفحہ6۔درمنثور،زیرآیت ہذا،جلد5،صفحہ374،دارالکتب العلمیہ بیروت

Marfat.com

امام ترمذی اور بزار نے حضرت ابن مسعود سے یہ حدیث نقل کی ہے۔ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ الْمَرْءَۃُ عَوْرَۃٌ فَاِذَا خَرَجَتْ مِنْ بَیْتِھَا اسْتَشْرَفَھَا الشَّیْطَانُ وَ اَقْرَبُ مَا تَکُوْنُ مِنْ رَّحْمَتِ رَبِّھَا وَ ھِیَ فِیْ قَعْرِ بَیْتِھَا (1) یعنی حضور نے فرمایا: عورت کا مستور اور باپردہ رہنا ہی بہتر ہے۔ جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اُسے جھانکنے لگتا ہے۔ جب تک وہ اپنے گھر کی چاردیواری میں رہتی ہے وہ رحمتِ الٰہی سے قریب تر ہوتی ہے۔

پاکستان، جسے مملکتِ اسلامیہ ہونے کا دعویٰ ہے۔ وہاں مردوں اور عورتوں کا بے دریغ اختلاط، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مخلوط تعلیم، عورتوں کا ان دفتروں میں ملازمت کرنا جہاں مرد ہوتے ہیں، ایسے اجتماعات اور مذاکروں میں شرکت کرنا، عام بازاروں اور شاہراہوں پر ننگے سر، چست لباس پہنے، نیم عریاں ہوکر گھومنا پھرنا ایک بہت بڑا المیہ ہے۔ اور ہمارا طرزِ عمل اسلام کی تہذیب وثقافت پر ناروا زیادتی بلکہ اسے مسخ کرنے کے مترادف ہے۔

شیعہ، حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر ایک اعتراض کرتے ہیں۔ اس کے متعلق بھی یہاں کچھ وضاحت کردینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ازواجِ مطہرات کو گھروں میں ٹھہرے رہنے کی تاکید کی۔ لیکن حضرت عائشہ نے اس کی خلاف ورزی کی۔ مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ گئیں۔ وہاں سے بصرہ کا رُخ کیا۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں بلکہ خلیفہ برحق حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف جنگ لڑی۔ یہ حکمِ الٰہی کی صریح خلاف ورزی ہے اور سخت گناہ ہے۔

اس کے متعلق مختصراً عرض ہے کہ حضرت ام المؤمنین حج کی نیت سے مکہ مکرمہ روانہ ہوئیں اور حج کے لیے گھر سے نکلنے کی قطعاً ممانعت نہیں۔ اس آیت کے نزول کے بعد بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں اُمہات المؤمنین نے حج اور عمرہ کے لیے سفر کیے بلکہ اکثر غزوات میں بھی کسی نہ کسی رفیقۂ حیات کو شرفِ ہمرکابی سے مشرّف فرمایا۔ معلوم ہوا کہ اس آیت سے مُطلقاً گھروں سے نکلنے کی ممانعت نہیں بلکہ بلاضرورت بن سنور کر باہر نکلنا ممنوع ہے۔ نیز اس سفرِ حج میں حضرت اُمِ سلمہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہما بھی ساتھ تھیں۔ اور یہ بھی نہیں کہ کسی محرم کی معیت کے بغیر آپ تشریف لے گئیں ہوں بلکہ آپ کے ساتھ آپ کے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیر حضرت اسماء

1۔ روح المعانی، زیرآیت ہذا، جلد 22، صفحہ 6۔ جامع ترمذی، ابواب الطلاق واللعان، جلد 1، صفحہ 140

Marfat.com

کے فرزند اور آپ کی بہن حضرت امِ کلثوم زوجہء طلحہ کے بیٹے بھی ساتھ تھے۔

مناسکِ حج سے جب فارغ ہوئیں اور واپسی کی تیاری کر رہی تھیں تو اطلاع ملی کہ باغیوں نے حضرت عثمان کو شہید کر دیا ہے۔ مدینہ طیبہ میں فتنہ وفساد کے شعلے بھڑکنے لگے ہیں اور یہ باغی حضرت سیدنا علی کے لشکر میں داخل ہو گئے ہیں۔ یہ المناک خبریں سن کر آپ کے غم واندوہ کی حد نہ رہی۔ مسلمانوں میں رونما ہونے والے اس خونی انقلاب نے آپ کو حد درجہ متاثر کر دیا۔ آنے والے خطرات کا تصور کر کے مضطرو پریشان ہو رہی تھیں۔ آپ ابھی اسی حالت میں تھیں کہ باغیوں سے خوفزدہ ہو کر حضرت طلحہ، زبیر، نعمان بن بشیر، کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہم کئی دوسرے صحابہ کے ساتھ مدینہ سے مکہ آ گئے اور آ کر بتایا کہ حضرت عثمان کو شہید کر دینے کے بعد باغیوں نے بڑی ڈینگیں مارنی شروع کر دیں اور خلیفہ شہید کو گالیاں بکنے لگے۔ جس سے یہ لوگ بہت رنجیدہ خاطر ہوئے اور ان ظالموں کو ان کی قبیح اور مذموم حرکتوں پر سرزنش کی۔ وہ باغی اپنی طاقت کے نشہ میں اس قدر مخمور تھے کہ انہوں نے ان حضرات کا صفایا کرنے کا بھی منصوبہ بنانا شروع کر دیا۔ انہیں اس امر کا بھی احساس ہوا کہ اگر وہ باغی انہیں قتل کرنا چاہیں گے تو ان کو کوئی روک نہیں سکے گا، اس لیے وہ مکہ چلے آئے۔ حضرت ام المومنین نے فرمایا کہ جب تک حالات پرسکون نہ ہو جائیں اور حضرت علی ان ظالموں کو اپنے ہاں سے دور نہ بھگا دیں، اس وقت تک ہمیں واپس نہیں جانا چاہیے۔ فی الحال کسی محفوظ مقام پر ٹھہر کر حالات کے رو بہ اصلاح ہونے کا انتظار کرنا چاہیے۔ سب نے اس رائے کو پسند کیا اور اپنے عارضی قیام کے لیے بصرہ کو منتخب کیا۔ کیونکہ یہاں مسلمانوں کے لشکر موجود تھے۔ ان حضرات نے حضرت ام المؤمنین کو بھی بصرہ جانے پر مجبور کیا تا کہ ان کی معیت سے حالات کو معمول پر لانے میں مدد ملے۔ کیونکہ ہر دل میں ان کی عظمت اور ان کا احترام موجود ہے۔ آپ بھی صرف اس خیال سے ان کے ساتھ بصرہ جانے پر آمادہ ہوئیں کہ ان کی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کئی جلیل القدر صحابہ باغیوں کی دست درازی سے محفوظ ہو جائیں گے۔

ان باغیوں کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے بڑے غلط رنگ میں یہ خبر امیر المؤمنین کی خدمت میں پیش کی اور آپ کو چڑھائی کرنے پر برانگیختہ کیا۔ وَحَمَلُوْهُ عَلٰى اَنْ يَّخْرُجَ اِلَيْهِمْ وَ يُعَاقِبَهُمْ۔ حضرت امام حسن، امام حسین، عبداللہ بن جعفر، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے عرض

کی کہ ہنوز یہ اقدام مصلحت کے خلاف ہے اور ہمیں انتظار کرنا چاہیے تاکہ صحیح حالات معلوم ہو جائیں۔ لیکن تقدیرِ الٰہی میں کچھ اور تھا۔ حضرت علی نے اپنے فرزندوں اور مخلص بھتیجوں کے اس مشورہ کو قبول نہ فرمایا اور بصرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب بصرہ کے قریب پہنچے تو امیر المومنین نے قعقاع کو ام المومنین کی خدمت میں بھیجا۔ اس نے حاضر ہو کر عرض کی: یَا اُمَّاہ مَا اَشْخَصَكِ وَ اَقْدَمَكِ هٰذِهِ الْبَلْدَةَ۔ اے مادرِ محترم! آپ کا اس شہر میں آنے کا مقصد کیا ہے؟ یعنی کیا آپ اس پر قبضہ کرنے کی نیت سے آئی ہیں؟ فَقَالَتْ اَیْ بُنَیَّ اَلْاِصْلَاحُ بَیْنَ النَّاسِ۔ میرے فرزند! میرے یہاں آنے کا مقصد تو اس آتشِ فساد کو بجھانا اور لوگوں کے درمیان صلح کرانا ہے۔ آپ نے وہیں حضرت طلحہ اور زبیر کو بھی بلا لیا۔ قعقاع نے ان حضرات سے پوچھا: صلح کی پھر کیا صورت ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ اِقَامَةُ الْحَدِّ عَلٰی قَتَلَةِ عُثْمَانَ وَ تَطْیِیْبِ قُلُوْبِ اَوْلِیَائِهٖ۔ قاتلانِ عثمان سے قصاص اور آپ کے وارثوں کے دلوں کو خوش کرنا۔ قعقاع نے کہا: یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک باہمی انتشار ختم نہیں ہوتا۔ ہم سب متحد ہو جائیں، فتنہ وفساد کی آگ بجھ جائے، حالات معمول پر آ جائیں تو پھر ان باغیوں سے انتقام لیا جا سکے گا۔ اس لیے پہلے آپ لوگ صلح کے لیے اپنی آمادگی کا اظہار کریں۔ قَالَا اَصَبْتَ وَاَحْسَنْتَ۔ طلحہ وزبیر نے کہا اے قعقاع تم نے بجا کہا ہے اور نہایت عمدہ بات کی ہے۔ ہم صلح کے لیے کلیۃً آمادہ ہیں۔ قعقاع نے واپس جا کر حضرت امیر المومنین کی خدمت میں سارا ماجرا بیان کیا اور ان حضرات کے صلح کرنے کی خواہش سے حضرت امیر المومنین بڑے خوش ہوئے فَسُرَّ بِهٖ وَاسْتَبْشَرَ۔ صلح ہونے میں کسی کو کوئی شبہ نہ رہا۔ اپنے اپنے گھروں کو واپس جانے کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔

تین راتیں گزر گئیں۔ اگلے روز صلح کا اعلان ہونے والا تھا اور صبح سویرے حضرت امیر المومنین اور حضرات زبیر وطلحہ کی ملاقات کا پروگرام بن چکا تھا۔ جب قاتلانِ عثمان کو ان حالات کا علم ہوا تو ان کی پریشانی کی کوئی حد نہ رہی۔ انہیں یقین تھا کہ ان کی سلامتی مسلمانوں کے باہمی انتشار میں ہے۔ اگر صلح ہو گئی تو ان کی خیر نہیں۔ چنانچہ ساری رات مشورہ کرنے میں گزر گئی۔ آخر یہ طے پایا کہ کچھ باغی حضرت ام المومنین کے لشکر میں گھس جائیں اور کچھ یہیں رہیں اور صبح کے دھندلکے میں ام المومنین کے لشکر پر تیر برسانا شروع کر دیں۔ وہ یہ خیال کریں گے کہ امیر المومنین نے صلح کو توڑ دیا ہے اور امیر المومنین سمجھیں گے کہ صلح شکنی کی ابتدا دوسری جانب سے

ہوئی ہے۔ جب تیروں کی بوچھاڑ شروع ہو جائے گی اور لشکر آپس میں گتھم گتھا ہو جائیں گے تو اس وقت یہ تحقیق کرنے کی کسے فرصت ہو گی کہ ابتداء کس نے کی ہے؟ اس طرح صلح کا یہ منصوبہ دھرے کا دھرا رہ جائے گا اور ہم رسوا ہونے سے بچ جائیں گے۔

اسی سازش کے مطابق عمل کیا گیا۔ چنانچہ دونوں لشکروں میں اتنی خونریز جنگ چھڑ گئی جس کا کسی کو سان گمان بھی نہ تھا۔ حضرت ام المومنین اونٹ پر سوار تھیں۔ آپ کے لشکر کے جوان ایک ایک کر کے ناموسِ رسالت پر سر کٹا رہے تھے اور پسپا ہونے کا نام نہ لیتے تھے۔ سینکڑوں بہادر اپنی ہی تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ڈھیر ہو رہے تھے۔ اسلام کے لیے یہ حادثہ بڑا جانکاہ تھا۔ دشمنانِ اسلام کی چال کتنی گہری اور خطرناک تھی۔ یہ گھاؤ ابھی تک مندمل نہیں ہوئے۔

یہ ہے جنگِ جمل کے اسباب وعوامل کی صحیح اور سچی تصویر، جو علامہ طبری اور دیگر ثقہ مؤرخین نے مختلف طرق سے حضرت امام حسن عبداللہ بن جعفر اور ابنِ عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے۔ اس کے علاوہ جس کسی نے لکھا ہے، وہ ان رافضیوں کی اختراع اور بہتان تراشی ہے جو ان قاتلانِ عثمان کے پیروکار تھے۔ کسی حق کے متلاشی کو ان لغویات کی طرف التفات نہیں کرنا چاہیے (1)۔

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر میں ان باغیوں کے اثر ونفوذ کا کیا عالم تھا اس کے لیے صرف نہج البلاغۃ کی یہ عبارت پڑھ لیجیے: وَقَدْ قَالَ لَهُ قَوْمٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ لَوْ عَاقَبْتَ قَوْمًا مِّمَّنْ اَجْلَبَ عَلٰى عُثْمَانَ ، فَقَالَ يَا اِخْوَتَاهُ اِنِّىْ لَسْتُ اَجْهَلُ مَا تَعْلَمُوْنَ وَلٰكِنْ كَيْفَ لِىْ بِقُوَّةٍ وَّ الْقَوْمُ وَالْمُجْلِبُوْنَ عَلٰى حَدِّ شَوْكَتِهِمْ يَمْلِكُوْنَنَا وَلَا نَمْلِكُهُمْ وَهَا هُمْ هٰؤُلَاءِ قَدْ ثَارَتْ مَعَهُمْ عَبْدَانُكُمْ وَالْتَفَتْ اِلَيْهِمْ اَعْرَابُكُمْ وَهُمْ خِلَالُكُمْ يَسُوْمُوْنَكُمْ مَا شَاءُوْا (2)۔

ترجمہ: حضرت امیر سے آپ کے بعض نیاز مندوں نے کہا اگر آپ ان لوگوں کو سزا دیں جنہوں نے حضرت عثمان پر چڑھائی کی تھی تو سارا فتنہ ختم ہو جائے۔ آپ نے فرمایا: اے بھائیو! میں اس چیز سے بے خبر نہیں ہوں جسے تم جانتے ہو۔ لیکن ہم ابھی انہیں سزا نہیں دے سکتے کیونکہ حملہ آور طاقتور ہیں، وہ ہم پر غالب ہیں، ہمیں ان پر غلبہ نہیں ہے اور اب تو تمہارے غلام بھی ان

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جلد 22، صفحہ 10-9
تاریخ طبری، جلد 3، جز 5، صفحہ 205-166 (ماخوذ) مطبوعہ مطبعہ حسینیہ مصریہ
2۔ نہج البلاغۃ، جلد 2، صفحہ 98، مطبوعہ مطبعۃ الاستقامۃ مصر

کے ساتھ مل کر شور مچا رہے ہیں اور تمہارے بدو ان کے ساتھ مل گئے ہیں اور وہ تمہارے ہاں موجود ہیں۔ جس طرح چاہتے ہیں سلوک کرتے ہیں۔

ان حالات کو پڑھنے کے بعد ایک منصف مزاج حضرت صدیقہ پر کوئی الزام لگانے کی جرأت نہیں کر سکتا اور بد باطن کو کوئی باز نہیں رکھ سکتا۔ ام المومنین اپنے محرم بھانجوں کی معیت میں حج کی نیت سے روانہ ہوئیں اور ازواجِ طاہرات سے حضرت ام سلمہ اور حضرت صفیہ بھی ہمراہ تھیں۔ حج سے فراغت کے بعد حضرت عثمان کی شہادت کا حادثۂ فاجعہ پیش آیا۔ آپ کا بصرہ کی طرف سفر بھی جس غرض سے تھا وہ بھی آپ نے پڑھ لی۔ آپ قطعاً بغاوت یا امیر المومنین کے خلاف جنگ کرنے کی نیت سے ادھر تشریف نہیں لے گئی تھیں۔ بدسرشت لوگوں کی دسیسہ کاری سے بلا توقع جنگ چھڑ گئی۔ اس میں کسی کا قصور نہ تھا۔ نہ امیر المومنین کا اور نہ ام المومنین کا۔

اس کے بعد حضرت صدیقہ کے تقویٰ اور خوفِ الٰہی کا یہ عالم تھا کہ جب بھی یہ آیت پڑھتیں، تو اس قدر روتیں کہ دوپٹہ آنسوؤں سے بھیگ جاتا (1)۔

حضرت امیر المومنین کو بھی اس اچانک لڑائی پر از حد افسوس تھا۔ اس معرکہ میں اپنے لشکر کی فتح پر آپ کو قطعاً کوئی خوشی نہ تھی۔ جنگ ختم ہوئی۔ آپ میدانِ جنگ میں تشریف لے گئے۔ قدم قدم پر بہادر اور غیور جوانوں کی لاشوں کے ڈھیر دیکھے تو فرطِ غم سے آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے۔ یَا لَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ ھٰذَا وَ کُنْتُ نَسْیًا مَّنْسِیًّا۔ کاش! اس سے پہلے میری زندگی کا چراغ بجھ گیا ہوتا اور میں بھلا دیا گیا ہوتا۔ دشمنانِ اہل بیت، کی طرف سے حضرت صدیقہ پر یہ الزام بھی بڑی شد و مد سے لگایا جاتا ہے کہ پہلے آپ لوگوں کو حضرت عثمان کے قتل پر ابھارا کرتی تھیں اور آپ کو ایک یہودی ''نعثل'' کے نام سے پکارا کرتی تھیں اُقْتُلُوْا نَعْثَلًا فَقَدْ فَجَرَ۔ نعثل کو قتل کرو وہ فاسق ہو گیا ہے۔ اور جب ان کے اکسانے پر لوگوں نے حضرت عثمان کو شہید کر دیا اور حضرت علی مرتضیٰ کو اپنا خلیفہ منتخب کر لیا تو آپ قصاص کا مطالبہ کرنے لگیں۔ یہاں تک کہ امیر المومنین سے جنگ شروع کر دی۔ اس اعتراض کو دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس روایت کی تحقیق کی جائے (2)۔

حضرت علامہ محمود البغدادی الآلوسی اپنی شہرۂ آفاق تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں کہ کَذِبٌ لَّا اَصْلَ لَہٗ وَھُوَ مُفْتَرِیَاتُ ابْنِ قُتَیْبَۃَ وَ ابْنِ اَعْثَمَ الْکُوْفِیْ وَ اُلسَّمْسَاطِیِّ وَ کَانُوْا مَشْھُوْرِیْنَ

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جلد 22، صفحہ 11-10 2۔ ایضاً

بِالْكَذِبِ وَ اِلا فُتِرَاءِ۔ یعنی یہ روایت سراپا کذب وافترا ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں۔ یہ ابن قتیبہ، ابن اعثم الکوفی اور سمساطی کی گھڑی ہوئی روایتوں میں سے ہے۔ اور یہ لوگ جھوٹ اور افترا پردازی میں مشہور تھے۔ ایک جھوٹی روایت کو سند بنا کر حضرت ام المومنین پر اعتراض کرنا حد درجے کی گستاخی اور بے ادبی ہے۔ اسی طرح یہ الزام بھی اصلاً بے بنیاد ہے کہ حضرت صدیقہ کے دل میں امیر المومنین سے بغض وعناد تھا، اسی وجہ سے آپ نے ان سے جنگ کی۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو حضرت صدیقہ کبھی حضرت امیر المومنین کے مناقب اور اوصافِ جمیلہ بیان نہ کرتیں۔ حالانکہ آخر دم تک حضرت سیدنا علی کے اوصاف جمیلہ بیان کرتی رہیں (1)۔

دیلمی نے یہ حدیث حضرت ام المومنین سے ہی روایت کی ہے۔ اِنَّهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ حُبُّ عَلِيٍّ عِبَادَةٌ کہ حضرت علی سے محبت عبادت ہے (2)۔ اس واقعہ کے بعد بھی آپ حلفیہ بیان فرمایا کرتیں: وَاللهِ مَاكَانَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَلِيٍّ فِي الْقَدِيْمِ اِلَّا مَا يَكُوْنُ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَاَحْمَائِهَا۔ یعنی خدا کی قسم! میرے اور علی مرتضیٰ کے درمیان قطعاً کوئی ناراضگی یا دشمنی نہ تھی بجز اس کے کہ جو عورت اور سسرال والوں کے درمیان ہوا کرتی ہے (3)۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی اس جنگ کے اختتام کے بعد حضرت ام المومنین کو بڑی عزت وتکریم اور ادب واحترام کے ساتھ مدینہ طیبہ روانہ کیا۔ اس بات کا پورا انتظام کیا کہ راستے میں انہیں کوئی تکلیف نہ ہو۔ بصرہ کی معزز ومحترم خواتین کو آپ کے ہمراہ روانہ کیا۔ آپ کے بھائی محمد بن ابی بکر کو بھی ساتھ بھیجا اور سب کو تاکید فرمائی کہ ام المومنین کو راستہ میں کسی طرح کی بھی تکلیف نہ پہنچے۔ اس برتاؤ سے پتہ چلتا ہے کہ امیر المومنین کے دل میں حضرت صدیقہ کا کتنا احترام تھا (4)۔

جنگِ جمل کا واقعہ بیشک تاریخِ اسلام کے ان المناک واقعات میں سے ایک ہے جس پر قلبِ سلیم آج بھی گریاں اور سوگوار ہے۔ لیکن ان انتہائی ناخوشگوار حالات میں بھی ان حضرات کے باہمی عزت واحترام کا یہ حال تھا۔

الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ

کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اطاعت کیا کرو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی۔ ۶۲ اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جلد 22، صفحہ 11-10
2۔ ایضاً
3۔ تاریخ طبری، جلد 53، صفحہ 225
4۔ ایضاً

Marfat.com

اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ

ہے کہ تم سے دور کردے پلیدی کو اے نبی کے گھر والو! اور تم کو پوری طرح پاک

تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ

صاف کردے۔ ۶۳ اور یاد رکھو اللہ کی آیتوں اور حکمت کی باتوں کو جو پڑھی جاتی ہیں تمہارے گھروں میں۔

۶۲ پردہ کے احکام ذکر کرنے کے بعد عباداتِ واعمالِ صالحہ کا حکم دیا تاکہ کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرابت کے باعث اگر وہ نماز وزکوٰۃ کا تارک ہوگا، تو اس سے کسی قسم کی باز پرس نہیں ہوگی۔ نیز پردہ کے احکام کو پہلے ذکر کرکے ان کی اہمیت سے خبردار کردیا۔

۶۳ رکوع کے آغاز سے روئے سخن محبوبِ رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کی طرف ہے۔ پہلے فرمایا: اگر تم دنیا اور دنیا کی آسائشوں اور زیبائشوں کی طلب گار ہو تو تم کاشانۂ نبوّت کی زینت بننے کے قابل نہیں، پھر آؤ متاعِ دنیا کی جتنی تمہیں ہوس ہے وہ لے لو اور یہاں سے رخصت ہوجاؤ۔ اس کاشانۂ اقدس میں دنیا کے چاہنے والوں کی قطعاً گنجائش نہیں۔ اور اگر تم اپنے دلوں سے دنیا کی چاہت نکال کر پھینک دو، اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول کی محبت اور لگن تمہارا مقصدِ حیات بن جائے، تو پھر یہ عزت وکرامت تمہیں مبارک ہو۔ تمہیں ایسے انعام و اکرام سے نوازا جائے گا جس کا تم تصور بھی نہیں کرسکتیں۔ تمہیں اپنے مقام کی بلندی اور اس کی نزاکتوں کا ہر لحظہ پاس رکھنا چاہیے۔ اگر تم نے ذرا غفلت سے کام لیا تو تمہیں دوگنی سزا دی جائے گی۔ اور اگر تم نے اپنی ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے انجام دیا، تو تمہیں اجر بھی دوگنا ملے گا۔ اس کے بعد انہیں بات کرنے کا طریقہ سکھایا۔ گھروں میں باوقار طریقہ سے رہنے اور اظہارِ زینت سے باز رہنے کی ہدایات دیں۔ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ کے کلمات سے دل میں کہیں عجب اور غرور نہ پیدا ہوجائے اور عبادات کی ادائیگی میں سُستی نہ کرنے لگیں، اس لیے نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا اور آخر میں یہ ارشاد فرمایا کہ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کو اپنا شعار بنالو۔

یہ ہدایات، یہ پند وموعظت، یہ تاکیدات، یہ خصوصی احکام آخر کیوں؟ بتادیا کہ اللہ تعالیٰ چاہتا

Marfat.com

ہے کہ تمہارا دامن ہر داغ سے منزہ ہو۔ تمہاری سیرت اپنی تابندگی اور روشنی میں مہر و ماہ سے فزوں تر ہو۔ کیونکہ آدھی اولادِ آدم کی ہدایت پذیری کا تعلق تمہاری ذات سے ہے۔ اگر تمہارا کردار ذرا بھی مشکوک ہوا تو ہدایت کا یہ سرچشمہ گدلا ہو جائے گا۔ حق کے رُخِ زیبا پر شکوک کی گرد چھا جائے گی اور ہدایت پذیری کا عمل سست ہو جائے گا۔ تمہارا کردار جتنا روشن، تمہاری سیرت جتنی تاباں اور تمہارے اعمال جتنے پاکیزہ ہوں گے، اسلام کی اشاعت میں اتنی ہی ترقی ہوگی۔ اور اس معیار پر تم تب ہی پوری اُتر سکتی ہو جب تم ان احکام، ہدایات اور ارشادات پر پابندی سے عمل پیرا ہو۔

اس کے بعد ازواجِ مطہرات کو یہ بات سمجھائی کہ تمہارے حجرے ظاہری سج دھج سے بیشک خالی ہیں۔ یہ اتنے سادہ ہیں کہ اُن میں بسر اوقات قطعاً خوشگوار معلوم نہیں ہوتی، لیکن تمہارے انہی سادہ سادہ حجروں کو اللہ تعالیٰ نے نزولِ وحی کے لیے چن لیا ہے اور یہ وہ اعزاز ہے جس سے شاہی محلات محروم ہیں۔ اس لیے اس نعمت کی قدر کرو اور جو وحی نازل ہوتی ہے اور حضور کی عملی زندگی کے جو حسین مناظر تمہیں دیکھنے نصیب ہوئے ہیں ان کو لوحِ دل پر نقش کر لو اور اللہ تعالیٰ کی بندیوں کو سیرتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آگاہ کرتی رہو۔

یہ ہے اس آیت کا سیاق و سباق۔ اسے دیکھنے کے بعد یہ تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے کہ آیت کے اس جملہ (اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ) میں بھی وہی مخاطب ہیں جن سے پہلے اور بعد میں خطاب ہو رہا ہے۔ اور وہ ازواجِ مطہرات ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہن اور اہلِ بیت سے بھی ازواجِ مطہرات مراد ہیں۔

فرقہ وارانہ تعصب سے بلند اور خالی الذہن ہو کر اگر ان آیات کا مطالعہ کیا جائے تو ان آیات کا یہی مفہوم ہے جو بلا تکلف سمجھ آتا ہے۔ خدا نہ بھلا کرے فرقہ وارانہ تعصبات کا کہ وہ حق فہمی کی راہ میں پہاڑ بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

شیعہ حضرات کو اس بات پر اصرار ہے کہ اہلِ بیت میں ازواجِ مطہرات داخل نہیں، اس سے مراد فقط حضراتِ خمسہ ہیں یعنی امام المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، امیر المومنین علی مرتضیٰ، حضرت سیدہ طاہرہ اور حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اپنے اس نظریہ کو ثابت کرنے کے لیے جو دلائل انہوں نے پیش کیے ہیں، وہ پیش خدمت ہیں۔ انہیں پڑھیے، سنجیدگی سے ان میں غور کیجیے اور از روئے انصاف یہ فیصلہ کیجیے کہ راہِ حق سے کون بہک گیا ہے؟ وہ فرماتے ہیں:

۱۔ آیت کے اس جملہ میں ضمیریں مذکر ذکر کی گئی ہیں۔ (عَنْکُمُ اور یُطَهِّرَکُمْ) اگر ان کا مرجع

Marfat.com

ازواجِ مطہرات ہوتیں تو مؤنث کی ضمیریں ذکر کی جاتیں۔ عَنْکُمْ کے بجائے عَنْکُنَّ اور یُطَهِّرَکُمْ کے بجائے یُطَهِّرَکُنَّ ہوتا۔

۲۔آیت کے اس حصہ میں ''بیت'' واحد مذکور ہے۔ یہ چیز ازواج کی نفی کرتی ہے کیونکہ جہاں ان کے گھروں کا ذکر ہے وہاں بیت کی جمع بیوت مذکور ہے۔ جیسے وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ اور وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ۔

۳۔اس سلسلہ میں جو بڑی وزنی بات انہوں نے کہی ہے، وہ یہ ہے کہ اِنَّمَا حصر کے لیے آتا ہے یعنی جو چیز اس کے بعد مذکور ہے اس کے لیے یہ فعل ثابت ہے اور جو مذکور نہیں اس سے یہ فعل منفی ہے۔ نیز ارادہ کی دو قسمیں ہیں ارادۂ محضہ یعنی وہ ارادہ جس کو مراد کا پایا جانا یا نہ پایا جانا مستلزم نہیں، دوسرا وہ ارادہ جس کے ساتھ مراد کا پایا جانا ضروری ہے۔ یعنی ایسا ارادہ جس پر تطہیر اور اذھابِ رجس ضرور مترتب ہوگا۔ اس مقام پر ارادہ محضہ نہیں ہے، کیونکہ ایسا ارادہ تو ہر مومن کے لیے ہے کہ وہ ہر ناپاکی سے منزّہ ہو، ظاہری اور باطنی نجاستوں سے اس کا دامنِ حیات پاک ہو، اہلِ بیت کی اس میں کوئی خصوصیت نہیں۔ حالانکہ یہ مقام مدحِ اہلِ بیت کا ہے۔ یہاں تو کسی ایسی چیز کا ذکر ہونا چاہیے جو ان کے ساتھ مخصوص ہو اور وہ ارادہ کا دوسرا معنی ہے جس سے ان حضرات کی عصمت ثابت ہوتی ہے۔ لیکن ازواج کی عصمت کا کوئی بھی قائل نہیں۔ یہاں وہی لوگ مراد ہوں گے جن کی عصمت ثابت ہے اور وہ یہ حضرات خمسہ ہی ہیں۔ اس لیے ثابت ہوا کہ یہاں اہلِ بیت سے مراد ازواج نہیں ہیں (1)۔ امید ہے یہ پیچ در پیچ دلیل آپ نے سمجھ لی ہوگی۔

۴۔کتب اہلسنت میں بھی ایسی احادیث بکثرت موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل بیت سے مراد ازواج نہیں بلکہ حضراتِ خمسہ ہیں۔ شیخ الطائفہ طوسی نے التبیان میں اور شیخ طبرسی نے مجمع البیان میں اور اسی فرقہ کے دوسرے مفسرین نے اپنی تفاسیر میں یہی دلائل پیش کیے ہیں۔ آیئے! ان دلائل کا بنظرِ انصاف جائزہ لیں۔

ان کی پہلی دلیل یہ ہے کہ اگر ازواج مراد ہوتیں تو ضمیریں مؤنث کی ذکر کی جاتیں۔ اس لیے گزارش ہے کہ آیت کے اس حصہ میں اَهْلَ الْبَیْتِ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یہ لفظ مذکر ہے

1۔تفسیر التبیان، جلد 8، صفحہ 339-41 (ماخوذ) مطبوعہ مطبعۃ النعمان، النجف الاشرف
مجمع البیان، جلد 8، صفحہ 356-57 (ماخوذ) مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ تہران

Marfat.com

اگرچہ معنی مؤنث ہے اور عربی زبان میں بسا اوقات معنی کا لحاظ نہیں رکھا جاتا، صرف لفظ کے مطابق ضمیر ذکر کر دی جاتی ہے۔ قرآنِ کریم میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ سورۂ ہود کی آیت ۷۳، ۷۲، ۷۱ ملاحظہ فرمایئے جہاں فرشتے حضرت ابراہیم کی خدمت میں حاضر ہیں۔ حضرت اسحاق کی ولادت کا مژدہ سنا رہے ہیں۔ پاس ہی حضرت سارا کھڑی ہیں۔ آپ وفورِ مسرّت سے ہنس پڑتی ہیں۔ ساتھ ہی اظہارِ تعجب کرتے ہوئے فرماتی ہیں: یٰوَیْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝ (ہود) یعنی میں بوڑھی اور میرا شوہر بھی بوڑھا، کیا میرے ہاں بچہ ہوگا؟ یہ بڑی عجیب وغریب بات ہے۔ فرشتے حضرت سارہ کو خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں: اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ۭ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ (ہود:73) ''اے حضرت خلیل کی رفیقۂ حیات! کیا تم اللہ تعالیٰ کے حکم پر تعجب کر رہی ہو؟ اے اہلِ بیت تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں''۔ ''تَعْجَبِيْنَ'' مؤنث کا صیغہ ہے لیکن بعد میں اَهْلَ الْبَيْتِ کے لفظ کے پیشِ نظر ''عَلَيْكُمْ'' میں مذکر کی ضمیر استعمال ہوئی ہے۔ آپ دور کیوں جاتے ہیں اسی پارہ کی پہلی آیت میں من یقنت منکن پر غور کیجیے۔ يَّقْنُتْ مذکر کا صیغہ ہے لیکن بلا اختلاف اس سے مراد ازواج ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ''مَنْ تَقْنُتْ'' ہوتا، لیکن من کے لفظ کو ملحوظ رکھتے ہوئے يَّقْنُتْ فرمایا گیا۔ اس لیے ان کا یہ استدلال کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

دوسری دلیل کے بارے میں عرض ہے کہ ازواجِ مطہرات کے حجروں کی دو حیثیتیں ہیں ایک حیثیت تو یہ ہے کہ امہات المومنین کی قیام گاہیں ہیں۔ دوسری حیثیت یہ ہے کہ ان حجروں میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات اقامت گزیں ہیں۔ جب ان حجروں کا ذکر ازواج کی قیام گاہوں کی حیثیت سے ہو تو انہیں جمع ذکر کیا جاتا ہے اور جب حضور کی نسبت سے ہو تو واحد۔ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ میں ہر زوجۂ محترمہ کو حکم ہے کہ وہ اپنے اپنے حجرہ میں ٹھہرے۔ اسی طرح مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ میں بھی ہر بی بی کا حجرہ مراد ہے، کیونکہ وحی کا نزول مختلف حجرات میں ہوتا تھا۔ لیکن اہل البیت میں ''بیت'' سے مراد حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قیام گاہ ہے اس لیے اس کو واحد ذکر کیا گیا۔

تیسرا استدلال بھی بڑا انوکھا ہے۔ آپ کی دلیل کا دارومدار اس بات پر ہے کہ یہ مقام مدحِ اہلِ بیت کا ہے۔ حالانکہ یہ مقام مقامِ مدح نہیں بلکہ مقامِ موعظت وارشاد ہے۔ جو باتیں اور جو

Marfat.com

خوبیاں اہلِ بیت کو اپنانی چاہئیں اور جس ضابطۂ حیات کی انہیں پابندی کرنا چاہیے اس کا تفصیلی ذکر ہو رہا ہے۔ اس لیے اس دلیل کی بنیاد ہی درست نہیں۔ نیز عصمتِ انبیاء کا عقیدہ تو متفقہ عقیدہ ہے۔ لیکن دوسرے حضرات کی عصمت آپ کا اپنا مفروضہ ہے۔ اس پر دلیل کی عمارت کیسے تعمیر کی جاسکتی ہے؟ نیز اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو یہاں سے عدمِ عصمت ثابت ہوتی ہے ورنہ تحصیلِ حاصل لازم آئے گی۔ یعنی جو ہستیاں پہلے ہی معصوم اور ہر طرح کے رجس سے منزّہ اور مبرا ہیں، ان کے متعلق یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ ان کو پاک اور طاہر کرنا چاہتا ہے اس کا کوئی مطلب نہیں۔ اس کے علاوہ اگر اہل بیت کی عصمت کا ذکر ہی بطور مدح کرنا مقصود ہوتا تو آیت یوں ہونی چاہیے تھی: اِنَّمَا اَرَادَ اللّٰهُ وَ اَذْهَبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ طَهَّرَكُمْ تَطْهِيْرًا لیکن سب جانتے ہیں کہ آیت اس طرح نہیں ہے۔

ان صاحبان نے چوتھی دلیل یہ پیش کی ہے کہ اہلسنت کی کتب میں بھی بکثرت ایسی احادیث ہیں جو اکابر صحابہ ابوسعید خدری، انس بن مالک، واثلہ بن اسقع، ام المومنین عائشہ، ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اہلِ بیت سے مراد حضراتِ خمسہ ہی ہیں اور ازواج اہلِ بیت میں داخل نہیں۔ اس کے متعلق گزارش ہے کہ وہ احادیث جن میں یہ مذکور ہے کہ یہ آیت فقط ان حضراتِ قدسی صفات کے حق میں نازل ہوئی ان کے راوی مجروح اور ساقط الاعتبار ہیں۔ جن کی تفصیل ذیل میں پیش کی جارہی ہے اور جن کے راوی ثقہ اور قابل اعتماد ہیں، ان میں کوئی تخصیص مذکور نہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ امہات المومنین اور یہ حضرات سب اہلِ بیت ہیں۔ یہی حق ہے اور اسی پر ہمارا ایمان ہے۔

پہلی حدیث: حضرت انس سے مروی ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمازِ صبح کے لیے تشریف لاتے تو حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مکان کے پاس سے گزرتے اور فرماتے اَلصَّلٰوةَ يَا اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔ چھ ماہ تک حضور کا یہ معمول رہا(1)۔

گزارش ہے کہ حضرت انس سے روایت کرنے والے کا نام علی بن یزید ہے۔ اس کے بارے میں علمائے جرح وتعدیل کی رائے ملاحظہ فرمایئے: لَيْسَ بِالْقَوِيِّ۔ مُنْكِرُ الْحَدِيْثِ عَنِ

1۔ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، جلد 2، صفحہ 152

Marfat.com

الثِّقَاتِ وَقَالَ ابْنُ عَدِيٍّ اَحَادِيْثُهٗ لَا تَشْبَهُ اَحَادِيْثَ الثِّقَاتِ (تہذیب التہذیب)(1) یعنی یہ قوی نہیں ہے۔ ثقات سے منکر حدیثیں روایت کرتا ہے۔ ابن عدی فرماتے ہیں کہ اس کی مرویات ثقات کی احادیث سے کوئی مشابہت نہیں رکھتیں۔

اسی مضمون کی ایک حدیث اور مروی ہے جس کے راویوں میں ابوداؤد ہے۔ علامہ ابنِ کثیر نے اس کے بارے میں لکھا ہے اَبُوْ دَاوٗدَ الْاَعْمٰی هُوَ نُفَيْعُ بْنُ حَارِثٍ كَذَّابٌ(2)۔ اندھے ابوداؤد کا نام نفیع بن حارث ہے وہ کذّاب ہے، بہت بڑا جھوٹا ہے۔

علامہ ابن حجر لکھتے ہیں: مَتْرُوْكُ الْحَدِيْثِ ضَعِيْفُ الْحَدِيْثِ يَضَعُ لَيْسَ بِشَيْءٍ كَانَ مِمَّنْ يَّغْلُوْفِي الرَّفْضِ۔ یعنی محدثین نے اس کی حدیث کو ترک کر دیا ہے۔ یہ ضعیف ہے، اپنی طرف سے حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ یہ کوئی چیز نہیں ہے۔ رفض میں بڑا غالی تھا۔ (تہذیب التہذیب)(3)

تیسری حدیث واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں ان سے یہ منقول ہے وہ کہتے ہیں میں حضرت سیدہ کے ہاں گیا۔ حضرت علی مرتضیٰ کے بارے میں پوچھا۔ سیدہ نے بتایا کہ بارگاہِ رسالت میں گئے ہیں۔ میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ اسی اثناء میں حضور تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ حضرت علی اور دونوں شہزادے بھی تھے۔ حضور نے دونوں کو اپنے ہاتھ سے پکڑا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ گھر تشریف لائے۔ پس شہزادوں کو اپنی رانوں پر بٹھایا اور سیدنا علی اور حضرت سیدہ کو اپنے قریب کیا۔ پھر ان پر اپنی چادر ڈالی پھر یہ آیت پڑھی: اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ الآیۃ پھر فرمایا: اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلِيْ وَ اَهْلُ بَيْتِيْ اَحَقُّ۔ یا اللہ! یہ لوگ میرے اہلِ بیت ہیں اور میرے اہلِ بیت زیادہ حقدار ہیں۔ واثلہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا میں بھی آپ کی اہلِ بیت میں سے ہوں؟ تو آپ نے فرمایا: ''وَاَنْتَ مِنْ اَهْلِيْ''۔ تو بھی میری اہل سے ہے۔ واثلہ کہا کرتے: ''اِنَّهَا لَمِنْ اَرْجٰی مَا اَرْتَجِی''۔ یعنی حضور کا یہ ارشاد وَ اَنْتَ مِنْ اَهْلِيْ۔ میرے لیے سب سے بڑی امید ہے(4)۔

اس سند میں محمد بن معصب ایک راوی ہے۔ اس کے متعلق بھی علمائے جرح کی رائے سنیے۔ قَالَ يَحْيٰى لَمْ يَكُنْ مِّنْ اَصْحَابِ الْحَدِيْثِ كَانَ مُغْفِلاً، كَانَ كَثِيْرَ الْخَلَطِ (5)۔ یعنی یحییٰ کہتے ہیں کہ

1۔ تہذیب التہذیب، جلد 7، صفحہ 396، مطبوعہ دار صادر بیروت
2۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، جلد 3، صفحہ 483
3۔ تہذیب التہذیب، جلد 10، صفحہ 471
4۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، جلد 22، صفحہ 6
5۔ تہذیب التہذیب، جلد 9، صفحہ 59-458

Marfat.com

''اس شخص کا شمار علمائے حدیث میں نہیں ہے۔ یہ بالکل احمق آدمی تھا اور روایات میں بکثرت الٹ پھیر کر دیا کرتا تھا۔'' نیز اس میں تو واثلہ کو بھی حضور نے اپنی اہل میں شمار کیا، تو تخصیص کہاں رہی؟

حضرت امِ سلمہ سے ایک حدیث مروی ہے جس میں حضرت امِ سلمہ فرماتی ہیں کہ یہ آیت اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ الآیہ۔ میرے گھر میں نازل ہوئی۔ اور یہ حضرات خمسہ کے لیے خاص ہے۔ اس کے راویوں میں ایک عبداللہ بن عبدالقدوس ہے جس کے متعلق علامہ ابنِ حجر نے لکھا ہے: قَالَ ابْنُ مُعِیْنٍ لَیْسَ بِشَیْءٍ رَّافِضِیٌّ خَبِیْثٌ (1)۔ یہ کچھ نہیں ہے رافضی ہے اور خبیث النفس ہے۔

حضرت امِ سلمہ کی ایک روایت میں یہ ہے کہ جب ان حضرات پر آپ نے اپنی چادر ڈالی تو میں نے عرض کی: وَاَنَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! حضور کریم نے فرمایا: ''وَاَنْتِ'' یعنی تو بھی میرے اہل بیت میں سے ہے۔ اس سے ازواجِ مطہرات کا اہل بیت میں شامل ہونا صراحت سے ثابت ہوا۔

ایک اور روایت جو امِ سلمہ سے مروی ہے اس میں بھی یہ الفاظ ہیں کہ یہ آیت میرے گھر میں نازل ہوئی تو اس کے راوی عطیہ ہیں۔ اس کے متعلق بھی علماء کی رائے سنیے: قَالَ اَحْمَدُ ھُوَ ضَعِیْفُ الْحَدِیْثِ۔ امام احمد کہتے ہیں کہ یہ ضعیف الحدیث ہے۔ پھر آپ نے کہا کہ عطیہ، کلبی کے پاس جایا کرتا تھا اور اس کی کنیت اس نے ابوسعید مقرر کر رکھی تھی۔ جب لوگ اس سے پوچھتے کہ تم نے یہ حدیث کس سے سنی ہے، وہ کہتا کہ میں نے ابوسعید سے سنی ہے۔ کلبی کا نام نہ لیتا تا کہ لوگ یہ سمجھیں کہ ابوسعید سے مراد ابوسعید خدری مشہور صحابی ہیں۔ حالانکہ اس نے وہ حدیث کلبی سے سنی ہوتی (2) اور کلبی کے متعلق علامہ ابنِ حجر نے لکھا ہے: کَانَ بِالْکُوْفَۃِ کَذَّابَانِ اَحَدُھُمَا الْکَلْبِیُّ (3) کوفہ میں دو کذاب تھے، ان میں ایک یہ کلبی تھا۔ تمام علمائے جرح وتعدیل نے اس کو مردود قرار دیا ہے۔

یہاں بھی عن عطیہ عن ابی سعید عن ام سلمہ مذکور ہے۔ اس سند میں عطیہ کا آجانا ہی اس روایت کو پایۂ اعتبار سے ساقط کر دیتا ہے۔ حضرت امِ سلمہ سے اسی مفہوم کی ایک اور حدیث منقول ہے جس کے راویوں میں عبدالحمید بن بہرام ہے جو شہر بن حوشب سے روایت کرتا ہے۔ اس کے متعلق حاتم سے پوچھا گیا: یُحْتَجُّ بِحَدِیْثِہٖ قَالَ حَاتَمٌ لَا۔ وَلَا بِحَدِیْثِ شَھْرٍ وَّ لٰکِنْ یُکْتَبُ

1۔ تہذیب التہذیب، جلد 5، صفحہ 303 2۔ ایضاً، جلد 7، صفحہ 225 3۔ ایضاً، جلد 9، صفحہ 178

Marfat.com

حَدِیْثُہٗ (1) رَآہُ کَثِیْرٌ مِّنَ الْعُلَمَاءِ اَنَّہٗ لَیْسَ بِحُجَّۃٍ۔ تو انہوں نے کہا کہ اس کی حدیث اور شہر بن حوشب کی حدیث دونوں حجت نہیں ہیں البتہ اس کی حدیث لکھنے کی اجازت ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک یہ قابلِ سند نہیں ہے۔

حضرت ابو سعید خدری سے ایک اور حدیث مروی ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ یہ آیت ان پانچوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کے راویوں میں ایک عطیہ ہے جس کا ذکر گزر چکا ہے، دوسرا مندل ہے جس کے متعلق ابنِ حجر لکھتے ہیں: قَالَ اَحْمَدُ ضَعِیْفُ الْحَدِیْثِ۔ قَالَ یَحْیٰی لَیْسَ بِشَیْءٍ۔ اَلْبُخَارِیُّ اَدْخَلَہٗ فِی الضُّعَفَاءِ۔ (تہذیب التہذیب)(2) امام احمد نے کہا کہ مندل ضعیف الحدیث ہے یحییٰ کہتے ہیں کہ وہ کچھ بھی نہیں۔ امام بخاری نے بھی اس کا شمار ضعفاء میں کیا ہے۔

اس تفصیل سے یہ چیز واضح کرنا مقصود ہے کہ اس قسم کی احادیث جن میں یہ تصریح موجود ہے کہ یہ آیت صرف حضراتِ خمسہ کے بارے میں نازل ہوئی یا ازواجِ مطہرات اس میں داخل نہیں۔ وہ تمام روایات قابلِ حجت نہیں تاکہ ان ضعیف احادیث کے پیشِ نظر قرآنِ کریم کی اس نص کا انکار کر دیا جائے اور سیاق و سباق سے جو معنی سمجھا جاتا ہے، اس کی نفی کر دی جائے۔ احادیث اگر صحیح بھی ہوں تو وہ قرآنِ کریم کے مفہوم کی ناسخ نہیں ہو سکتیں۔ نہ ان کی وجہ سے قرآنِ کریم کی نصوص میں تغیّر و تبدل کیا جا سکتا ہے، چہ جائیکہ جب وہ ایسے راویوں سے مروی ہوں جو پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔

اب آیئے ذرا یہ دیکھیں کہ قرآنِ کریم کی اصطلاح میں اہل کے لفظ کا اطلاق بیوی پر ہوتا ہے یا نہیں۔

ایک آیت تو آپ پہلے پڑھ چکے ہیں جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ حضرت سارہ کا ذکر ہے۔ گھر میں کوئی بچہ ہے نہ بچی۔ صرف حضرت سارہ زوجہ خلیلؑ ہیں۔ ان کے بارے میں ارشاد ہے: رَحْمَتُ اللّٰہِ وَ بَرَکٰتُہٗ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ ؕ اِنَّہٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝ (ہود) کوئی آدمی بھی یہ جرأت نہیں کر سکتا کہ یہاں اہلِ بیت کے لفظ سے حضرت سارہ کو نکال سکے۔ اسی طرح حضرت کلیم علیہ السلام مدینؔ سے اپنی اہلیہ محترمہ اور اپنے بچوں کے ہمراہ مصر واپس جا رہے ہیں۔

1۔ تہذیب التہذیب، جلد 6، صفحہ 110 2۔ ایضاً، جلد 10، صفحہ 99-298

Marfat.com

ان کا گزر وادیٔ سینا سے ہوتا ہے۔ رات کی تاریکی ہے، جاڑے کا موسم ہے، ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔ دور سے ایک آگ جلتی نظر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس منظر کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا (القصص) یعنی جب موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ مقرر کی ہوئی مدت پوری کر لی اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ روانہ ہوئے تو کوہِ طور کی ایک سمت میں انہوں نے آگ دیکھی اور اپنے اہل کو کہا کہ تم ذرا یہاں ٹھہرو، میں نے آگ دیکھی ہے۔ یہاں بھی اہل سے بیوی اور بچے سب مراد ہیں۔

سورۂ طٰہٰ میں ہے فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس سفر میں آپ کی زوجہ آپ کے ہمراہ نہ تھیں؟ قرآنِ کریم کی ان متعدد آیات کے بعد بھی اگر کوئی شخص اہل بیت سے ازواجِ مطہرات کو خارج کرنے پر مُصر ہو تو اس کی ہٹ دھرمی کی داد دینی چاہیے۔

حدیث شریف میں ہے: اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ فَاَعْطَى الْاَهْلَ حَظَّيْنِ وَاَعْطَى الْعَزَبَ حَظًّا (1)۔ اَلْاَهْلُ الَّذِیْ لَهٗ زَوْجَةٌ وَّ عِيَالٌ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اہل کو مالِ غنیمت میں دو حصے دیئے اور اکیلے آدمی کو ایک حصہ دیا۔ آہل کا معنی بتایا گیا ہے کہ جس کی بیوی بھی ہو اور بچے بھی ہوں۔

آخر میں اہلِ لُغت کی توضیح بھی ملاحظہ فرمالیں۔ علامہ جوہری لکھتے ہیں: اَهْلُ الرَّجُلِ: اَهْلُ الدَّارِ ..... وَقَدْ اَهَلَ فُلَانٌ يَاْهُلُ وَيَاْهِلُ اُهُوْلًا اَیْ تَزَوَّجَ وَكَذٰلِكَ تَاَهَّلَ قَالَ اَبُوْ زَيْدٍ اَهْلَكَ اللّٰهُ فِی الْجَنَّةِ اَیْ اَدْخَلَكَهَا وَزَوْجُكَ فِيْهَا (صحاح) (2)

ہم اپنے محاورہ میں بھی بیوی کو اہلِ خانہ یا گھر والی کہتے ہیں۔ یہ حضرات فرمائیں کہ حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کی زوجہ محترمہ آپ کی اہل بیت سے تھیں یا نہیں؟ حضرت شہر بانو حضرت سید الشہداء کے اہلِ خانہ میں سے تھیں یا نہیں؟

آپ کی اپنی بیوی صاحبہ آپ کے اہل خانہ میں سے ہے؟ ذرا آپ اپنی بیگم صاحبہ کو یہ کہہ کر تو دیکھیں کہ وہ آپ کی اہلِ خانہ یا گھر والی نہیں ہے، تو آپ کو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ کی بیگم صاحبہ تو آپ کی اہلِ خانہ ہوں۔ ائمہ کبار کی

1۔ سنن ابوداؤد، باب فی قسم الفیء، جلد 2، صفحہ 54۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 25

2۔ الصحاح، جلد 4، صفحہ 1628-29

Marfat.com

ازواجِ طاہرات تو ان کے اہل میں شمار ہوں۔ کیا آپ کو صرف حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات سے جنہیں قرآنِ کریم نے امہات المومنین فرمایا ہے، بیر ہے کہ آپ انہیں اہلِ بیت میں شمار نہ کرنے پر بضد ہیں۔ لاحول ولاقوۃ۔

إِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ﴿٣٤﴾ إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ

بیشک اللہ تعالیٰ بڑا لطف فرمانے والا، ہر بات سے باخبر ہے۔ بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں،

وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ

مومن مرد اور مومن عورتیں، فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، سچ بولنے والے مرد

وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ

اور سچ بولنے والی عورتیں، صابر مرد اور صابر عورتیں، عاجزی کرنے والے اور عاجزی کرنے والیاں

وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ

خیرات کرنے والے اور خیرات کرنے والیاں، روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں، اپنی عصمت کی حفاظت

ہم اہل سنت کے نزدیک حضور سرورِ کائنات کی ازواجِ مطہرات بھی اہل بیت ہیں۔ سیدنا علیٰ مرتضیٰ، سیدہ طاہرہ، حسنین کریمین بھی اہل بیت میں سے ہیں، جس طرح متعدد صحیح احادیث میں مذکور ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خصوصی طور پر ان کو اپنی عباء کے سایہ میں لینے اور ان کو هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِيْ فرمانے میں حکمت یہ ہے کہ عرب میں بھی بلکہ ہر جگہ مسلّمہ دستور یہ ہے کہ نسب باپ کی طرف سے چلتا ہے نہ کہ ماں کی طرف سے۔ مثلاً اگر باپ گوندل ہو اور ماں راجپوت ہو تو اس کے بطن سے جو اولاد ہوگی، وہ گوندل کہلائے گی نہ کہ راجپوت۔ اس بین الاقوامی طور پر مسلمہ قاعدہ کے مطابق حضرت سیدنا علی کے فرزندانِ ارجمند حضرت ابوطالب کی اولاد اور نسل سے شمار ہونے چاہئیں تھے نہ کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد اور نسل سے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس طرح دیگر بیشمار خصوصیات سے نوازا ہے یہ خصوصیت بھی بخشی ہے کہ

حضرت سیدنا علی کی اولاد حضرت سیدہ طاہرہ کے بطن سے اولادِ مصطفٰے علیہ التحیۃ والثناء شمار ہوئی نہ کہ ذرّیتِ ابو طالب۔ اسی نسبت کی برکت سے ساداتِ کرام میں سے جو حضرات شریعتِ اسلامیہ کی پابندی کرتے اور راہوارِ عزیمت پر سوار ہو کر ریاضت اور مجاہدہ کے میدان میں قدم رکھتے ہیں وہ دیگر حضرات سے گوئے سبقت لے جاتے ہیں۔ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاءُ۔ یہاں پر علامہ آلوسی نے بڑی ایمان افروز بحث کی ہے جسے خوفِ طوالت سے نقل نہیں کرسکا۔ اہلِ ذوق سے استدعا ہے کہ روح المعانی کے اس مقام کا مطالعہ کریں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں خانوادۂ نبوت کی سچی محبت اور غلامی نصیب فرمائے۔ قیامت کے دن انہی کی سنگت میں لواء الحمد کے نیچے ہمارا حشر ہو۔ آمین ثم آمین۔ بِجَاهِ حَبِيْبِهِ الْكَرِيْم ﷺ وَاَهْلِ بَيْتِهِ الطَّاهِرِيْنَ وَاَوْلِيَاءِ مِلَّتِهِ الْكَامِلِيْنَ اٰمِيْنَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ

کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والیاں اور کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں، تیار کر رکھا

اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا

ہے اللہ نے ان سب کے لیے مغفرت اور اجر عظیم۔ ۶۴ نہ کسی مومن مرد کو یہ حق پہنچتا ہے اور نہ

۶۴ یہ امت جسے خیر الامم کے لقب سے نوازا گیا ہے اس کے افکار اور اس کا کردار، نظریات اور اعمال کیسے ہونے چاہئیں؟ اس آیت میں انہیں تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔ بتا دیا کہ یہاں مرد اور عورت میں کوئی امتیاز نہیں۔ اللہ تعالیٰ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا افضل الصلوٰۃ و اجمل التحیۃ کے ہر مرد اور ہر عورت کو ان صفاتِ عالیہ سے متصف اور اخلاقی اور عملی لحاظ سے اس مقام رفیع پر فائز دیکھنا چاہتا ہے۔ یہاں حکم کی صورت میں ان صفات کو ذکر نہیں کیا کہ یوں کرو اور ایسے بنو، بلکہ حکایۃً بتایا گیا کہ اسلام کو قبول کرنے والے مرد اور عورتیں ایسی ہوا کرتی ہیں: (۱) مسلمین اور مسلمات: یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ اکرم کے سامنے سر جھکا دینے والے، اپنے ہر کام کو اپنے رب کریم کے سپرد کر دینے والے، سراپا اطاعت و انقیاد، پیکرانِ تسلیم و رضا۔ (۲) مومنین اور مومنات: یعنی اس دینِ قیم کے ہر حکم کی صداقت اور سچائی کو دل سے ماننے والے، ان کے عمل

Marfat.com

اور اعتقاد میں تضاد کی بُو تک نہیں۔ جس ضابطۂ حیات کے مطابق وہ زندگی بسر کر رہے ہیں، دل کی گہرائی سے وہ اس کی عظمت اور افادیت کے قائل ہیں، ان کے ہاں کسی ذہنی کشمکش کا نام ونشان تک نہیں۔ اس امت کے مرد ہوں یا عورتیں۔ ان کا عقیدہ بھی ایک ہے اور ان کا عمل بھی یکساں۔ (۳) قانتین اور قانتات: وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگے رہتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ جی میں آیا تو دست بستہ حاضر ہو گئے اور جی نہ چاہا تو ہفتوں غیر حاضر رہے۔ قنوت ایسی اطاعت کو کہتے ہیں جس میں نافرمانی کی آمیزش نہ ہو۔ اَلْقُنُوْتُ: اَلْقِيَامُ بِالطَّاعَةِ الَّتِيْ لَيْسَ مَعَهَا مَعْصِيَةٌ (لسان العرب) (1)۔ (۴) صادقین اور صادقات: وہ قول میں بھی سچے ہیں اور عمل میں بھی کھرے ہیں۔ نہ ان کی زبان پر ایسی بات آتی ہے جس میں کذب بیانی سے کام لیا گیا ہو اور نہ ان کے عمل میں کھوٹ پن کی ملاوٹ پائی جاتی ہے۔ (۵) صابرین اور صابرات: جس راہ کو انہوں نے حق یقین کر لیا ہے اور جو منزل انہوں نے اپنے لیے مقرر کی ہے اس کی طرف ثابت قدمی سے بڑھے چلے جا رہے ہیں۔ راہ میں پیش آنے والی مشکلات نہ انہیں ہراساں کر سکتی ہیں اور نہ منزل سے رخ موڑنے پر مجبور کر سکتی ہیں۔ نہ وہ نیک اعمال میں سستی کرتے ہیں اور نہ اپنا دامن گناہوں سے آلودہ ہونے دیتے ہیں۔ وہ بڑی سختی سے اپنے طے کیے ہوئے لائحہ عمل پر کاربند ہیں اور بڑے ذوق شوق سے اپنی منزل کی طرف رواں ہیں۔ (۶) خاشعین اور خاشعات: اس کے باوجود غرور ونخوت کی انہیں ہوا تک نہیں لگی۔ عجز وانکسار ان کا شیوہ ہے۔ جلوت وخلوت میں یہی ان کا شعار۔ (۷) متصدقین اور متصدقات: اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے رہتے ہیں۔ زکوٰۃ ادا کرنے اور صدقہ دینے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیتے۔ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال سے اس کی راہ میں خرچ کرنا اپنے لیے باعثِ سعادت تصور کرتے ہیں۔ (۸) صائمین اور صائمات: فرضی روزے بھی رکھتے ہیں اور نفلی روزے رکھنے کا شوق بھی دامنگیر رہتا ہے۔ (۹) الحافظین اور الحافظات: اپنے دامنِ عصمت کو آلودہ نہیں ہونے دیتے۔ جذبات کتنے شدید ہوں، ماحول کتنا رُومان انگیز ہو یہ اپنے رب کی حکم عدولی کی جرأت نہیں کرتے۔ مدعا یہ بھی ہے کہ ان تمام ذرائع سے کلیۃً اجتناب کرتے ہیں جو اس فعلِ بد کے ارتکاب کا ذریعہ یا محرک بنتے ہیں۔ (۱۰) ذاکرین اور ذاکرات: آخر میں سب سے اہم اور جامع صفت کا ذکر فرما دیا کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں محو

1۔ لسان العرب، جلد 2، صفحہ 73

Marfat.com

رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی یاد کا شوق کبھی مدہم نہیں پڑتا۔ سوتے، جاگتے، اٹھتے، بیٹھتے، لین دین کرتے ہوئے، ہل چلاتے ہوئے، دفتر میں اپنے فرائض انجام دیتے ہوئے غرضیکہ زندگی کی ہر ضرورت کو پورا کرتے ہوئے وہ اپنے رب کی یاد میں کوشاں رہتے ہیں (1)۔

حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی مجھے پہنچا ہے۔ حضور نے فرمایا:

ذَاكِرُ اللهِ فِي الْغَافِلِيْنَ كَالْمُقَاتِلِ خَلْفَ الْفَارِّيْنَ وَ ذَاكِرُ اللهِ فِي الْغَافِلِيْنَ كَغُصْنِ شَجَرٍ اَخْضَرَ فِيْ شَجَرٍ يَابِسٍ وَّ ذَاكِرُ اللهِ فِي الْغَافِلِيْنَ مِثْلُ مِصْبَاحٍ فِي بَيْتٍ مُّظْلِمٍ وَّذَاكِرُ اللهِ فِي الْغَافِلِيْنَ يُرِيْهِ اللهُ مَقْعَدَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ وَهُوَ حَيٌّ۔ رَوَاهُ رُزَيْنٌ (مظہری) (2) ترجمہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ غافل لوگوں میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والا ایسا ہے جس طرح میدانِ جنگ سے بھاگنے والوں میں مجاہد ہوا کرتا ہے، جس طرح خشک درخت میں سبز شاخ، جس طرح اندھیرے گھر میں روشن چراغ اور غافلوں میں اللہ تعالیٰ اپنے ذکر کرنے والے کو اس زندگی میں ہی جنت میں اس کا محل دکھا دیتا ہے۔

آپ نے ان صفات کا تفصیل سے مطالعہ کر لیا جو ایک مومن مرد اور عورت میں پائی جاتی ہیں۔ اب آپ خود ہی فیصلہ فرمایئے کہ جس امت کے مرد و زن کا یہ کردار ہو اور جس معاشرہ میں ان اخلاقی قدروں کی بالادستی ہو، وہ امت کتنی عظیم ہوگی اور وہ معاشرہ کتنا پاکیزہ ہوگا۔

مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ

کسی مومن عورت کو کہ جب فیصلہ فرما دے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا تو پھر انہیں کوئی اختیار ہو

مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا

اپنے اس معاملہ میں۔ ۶۵ اور جو نافرمانی کرتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی تو وہ کھلی گمراہی میں مبتلا

۶۵ حضرات قتادہ، مجاہد، ابن عباس اور دیگر ائمہ تفسیر کا یہ قول ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پھوپھی عمیمہ کی صاحبزادی اور اپنے جد امجد حضرت

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، جلد 7، صفحہ 343-44
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، جلد 7، صفحہ 344
مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الدعوات، باب ذکر اللہ والتقرب الیہ، جلد 1، صفحہ 199

عبدالمطلب کی نواسی، خاندان بنی ہاشم کی معزز خاتون حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو اپنے آزاد کردہ غلام کے لیے شادی کا پیغام بھیجا اور انہوں نے اور ان کے بھائی عبداللہ نے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبرئیل یہ آیت طیبہ لے کر حاضر ہوئے۔ کسی مومن مرد اور عورت کے لیے اس بات کی اجازت نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا رسول مکرم اسے کوئی حکم دے، تو وہ انکار کر دے۔ جب یہ ارشادِ خداوندی حضرت زینب اور ان کے بھائی عبداللہ نے سنا تو فوراً زید سے نکاح کرنے پر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود ان کا نکاح حضرت زید سے پڑھا۔ دس دینار مہر ادا کیا۔ کچھ پارچہ جات، گھریلو ضرورت کا سامان اور خورونوش کی چیزیں ان کے ہاں بھیج دیں (1)۔

اگرچہ یہ آیت اس خاص موقع پر نازل ہوئی لیکن اپنے الفاظ کے اعتبار سے یہ عام ہے۔ کسی مسلمان فرد، قوم، حکومت یا حکومتِ اسلامیہ کے مقرر کیے ہوئے کسی کمیشن اور قانون ساز ادارہ کو اس امر کا اختیار نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسولِ مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کو نظر انداز کر کے اپنے لیے کوئی نئی راہِ عمل تجویز کرے۔ مسلمان ہوتے ہوئے اطاعتِ رسول کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں (2)۔ ایک طرف ہم سچے مسلمان ہونے کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں اور دوسری طرف ادنیٰ سے فائدہ کے لیے ہم احکامِ اسلام کو بڑی آسانی سے پسِ پشت ڈال دیتے ہیں۔ ہماری اس دوغلی روش کے باعث اسلام رُسوا ہو رہا ہے اور ہم اس چشمہء فیض سے فیضیاب نہیں ہو رہے بلکہ دوسروں کی محرومی کا باعث بن رہے ہیں۔

مُّبِيْنًا ﴿٣٦﴾ وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ

ہو گیا۔ ٦٦ اور یاد کیجیے جب آپ نے فرمایا اس شخص کو جس پر اللہ نے بھی احسان فرمایا اور آپ نے بھی

اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ

احسان فرمایا اپنی بی بی کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر اور آپ مخفی رکھے ہوئے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جلد 14، صفحہ 186۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، جلد 3، صفحہ 490
معجم کبیر، جلد 24، صفحہ 45، رقم الحدیث: 124
2۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، جلد 3، صفحہ 490

Marfat.com

تھے اپنے جی میں وہ بات

مُبْدِیْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى

جسے اللہ ظاہر فرمانے والا تھا اور آپ کو اندیشہ تھا لوگوں (کے طعن و تشنیع) کا حالانکہ اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس سے

زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ

ڈریں ۶۷ پھر جب پوری کر لی زید نے اسے طلاق دینے کی خواہش، تو ہم نے اس کا آپ سے نکاح کر دیا تا کہ (اس عملی سنت کے بعد) ایمان والوں

۶۶ یہاں صاف فرما دیا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، اس کے رسولِ مکرم کے حکم سے سرتابی کی وہ کان کھول کر سن لے کہ وہ راہِ راست سے بھٹک گیا۔ رُشد و ہدایت کے اُجالے سے نکل کر گمراہی کے اندھیروں میں بہک رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس محرومی سے بچائے۔ آمین

۶۷ جو رسمیں کسی معاشرہ میں جڑ پکڑ جاتی ہیں لوگ ان کے اتنے گرویدہ ہو جاتے ہیں کہ ان سے دست کش ہونا پسند نہیں کرتے۔ خواہ وہ رسمیں لغو اور بیہودہ کیوں نہ ہوں۔ عوام الناس تو محض قدامت پسندی اور کورانہ تقلید کے باعث ان رسوم کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے اور اہلِ دانش وفہم اس خوف سے ایسا کرنے کی جرأت نہیں کرتے کہ اس طرح ان کا معاشرتی نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ قوم ذہنی انتشار میں مبتلا ہو جائے گی اور لاقانونیت پھیل جائے گی۔ اس لیے عوام اپنے نقطۂ نظر سے اور خواص اپنے اندیشوں کے باعث مروّجہ رسوم کو نہیں چھیڑتے اور اگر کوئی شخص ان میں ردّ و بدل اور اصلاح کی کوشش کرتا ہے، تو اس کے خلاف مخالفت کا طوفان اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ عرب میں دیگر لغو رسموں کے علاوہ یہ بیہودہ رسم بھی تھی کہ جب کوئی شخص کسی کو اپنا مُتبنّٰی بنا لیتا تو اسے وہی حقوق حاصل ہو جاتے جو حقیقی فرزند کو حاصل ہوتے ہیں۔ وہ متبنّٰی بنانے والے کے مرنے کے بعد اس کا وارث ہوتا۔ اس کی زوجہ کی بھی وہی حیثیت ہوتی جو سگے بیٹے کی زوجہ کی ہو۔ وہ اجنبی لڑکا اس قبیلہ کا فرد شمار ہونے لگتا۔ اس طرح اس رسم کے باعث طرح طرح کی خرابیاں مترتب ہو رہی تھیں۔ نسب میں خلط ہو رہا تھا۔ بیٹا وہ کسی کا ہوتا لیکن متبنّٰے بننے سے اپنے خاندان سے کٹ جاتا اور دوسرے خاندان کا فرد شمار ہوتا۔ اگر کسی کی حقیقی اولاد نہ ہو تو اس کے دوسرے

قریبی رشتہ دار اس کے مالِ متروکہ کے حقدار بنتے ہیں لیکن متبنّٰے ہونے کی صورت میں یہ اجنبی بچہ ان کے سارے حقوق کو غصب کر لیتا اور خونی اور نسبی قرابت رکھنے والے قریبی رشتہ دار بھائی بھتیجے محروم کر دیئے جاتے جو صریح ظلم تھا۔ پھر ایسے متبنّٰی کی زوجہ کے ساتھ اگر بعینہٖ وہی سلوک کیا جائے تو حرمتِ مصاہرت کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے۔ متبنّٰی بنانے والے پر اس کے متبنی کی بیوی حرام، اس کی بیوی کی ماں حرام، اگر کوئی اس کی بیٹی ہو تو وہ حرام۔ یہ عورتیں جن سے نکاح حلال ہے ان سے اس رسم کے باعث نکاح حرام ہو جاتا تھا۔ اس جاہلانہ رسم سے طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہو رہی تھیں اور معاشرہ گونا گوں مشکلات میں مبتلا تھا۔ لیکن سماج کے اس رواج کی اصلاح کرنے کی ہمت کسی میں نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر رحم فرماتے ہوئے جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا تو حضور نے ان تمام رسوم و رواج کو ختم کر دیا۔ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سوسائٹی کے دباؤ کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایسا جرأت مندانہ اقدام نہ فرماتے تو اور کون اصلاح کرتا؟ اگر یہ موقع بھی ہاتھ سے نکل جاتا تو قیامت تک ان محرومیوں کا سلسلہ جاری رہتا۔

سورۂ پاک کے آغاز میں حکم دیا کہ متبنّٰی تمہارا حقیقی بیٹا نہیں۔ یوں ہی صرف زبان ہلا دینے سے کسی کا بیٹا اپنا بیٹا نہیں بن سکتا۔ اس لیے نہ ان کو اپنا بیٹا سمجھو نہ زبان سے اس کی فرزندی کی نسبت اپنی طرف کرو۔ اس ارشاد پر عمل کی ابتداء بھی ذاتِ رسالتمآب سے ہوئی۔ حضرت زید جنہیں زید بن محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کہہ کر پکارا جاتا تھا، اب پھر اپنے حقیقی باپ کی طرف منسوب ہو کر زید بن حارثہ کہے جانے لگے۔

لیکن ابھی تک اس رسم و رواج کے کئی غلط اثرات باقی تھے جن کے متعلق قوم کے جذبات از حد حسّاس واقع ہوئے تھے۔ ان کے خلاف سوچنا بھی ان کے اختیار میں نہ تھا۔ اپنے متبنّٰی کی زوجہ ان کے نزدیک بعینہٖ اس حیثیت کی مالک تھی جو اپنے حقیقی بیٹے کی زوجہ کی حیثیت تھی۔ عرب کا قانون بھی اپنے بیٹے کی بیوی، مطلقہ ہو یا بیوہ سے نکاح کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ قرآن نے بھی اس کی حرمت کو برقرار رکھا۔ متبنی کی بیوی کی حیثیت بھی وہی تھی، اس کے حرام ہونے میں انہیں قطعاً کوئی شبہ نہ تھا۔ اسلام نے اس قبیح رسم اور اس پر مترتب ہونے والے نتائج کو منسوخ کر دیا۔ جب حضرت زید نے حضرت زینب کو طلاق دے دی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق انہیں اپنی زوجیت کا شرف بخشا اور اس رسمِ بد پر کاری ضرب لگا کر ہمیشہ

ہمیشہ کے لیے اس کا خاتمہ کر دیا۔

واقعہ کی صحیح صورت تو یہ ہے جو آپ کے سامنے بلا کم و کاست پیش کر دی گئی۔ لیکن یورپ کے متعصب اور تنگ نظر پادریوں نے جنہوں نے دنیا کو دھوکا دینے کے لیے مؤرخ، محقق اور مستشرق کا لباس اوڑھ رکھا ہے تاریخِ اسلام کے اس سادہ سے واقعے کو یوں اچھالا اور اسے ایسا رنگ دیا کہ اچھے اچھے سمجھ دار ان کے دامِ فریب میں پھنس گئے اور دولتِ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ آیئے! قرآنِ کریم کے کلماتِ طیّبات کو سمجھنے کی کوشش کریں اور جہاں جہاں انہوں نے ٹھوکر کھائی یا دانستہ اپنی بد باطنی کا مظاہرہ کیا ہے اس کی نشاندھی کریں تا کہ حقیقت اپنی رعنائیوں کے ساتھ آشکارا ہو جائے (1)۔

بعض غلط اور بالکل باطل روایات کا سہارا لے کر یہ کہا جاتا ہے کہ جب حضرت زینب کا نکاح حضرت زید سے ہو گیا تو ایک روز اچانک حضور ان کے گھر تشریف لے گئے۔ وہ گھر پر موجود نہ تھے۔ حضرت زینب بے دھیانی کے عالم میں بیٹھی تھیں۔ اچانک جب ان پر نظر پڑی تو حضور ان پر فریفتہ ہو گئے۔ اور یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے۔ سُبْحَانَ اللهِ مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ۔ پاک ہے دلوں کو بدلنے والا۔ یہ آواز حضرت زینب نے سن لی۔ زید آئے ساری بات کہہ سنائی۔ حضرت زید نے یوں ہی مناسب سمجھا کہ وہ اپنی زوجہ کو طلاق دے دیں تا کہ حضور ان سے نکاح کر سکیں۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ حضور نے زبان سے تو یہ فرمایا کہ زید اپنی زوجہ کو طلاق نہ دے اور اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔ لیکن حضور کی دلی خواہش یہی تھی کہ زید طلاق دیدے تو حضور ان سے نکاح کریں۔ محض ظاہر داری کے طور پر نبی کریم نے انہیں طلاق دینے سے منع فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات پر عتاب فرمایا اور کہا کہ تم زبان سے کچھ کہہ رہے ہو اور دل میں کچھ چھپاتے ہو۔ میں تمہارے دل کے پوشیدہ رازوں کو ظاہر کر دوں گا۔ چنانچہ ان بد باطنوں نے اس آیت کے ان جملوں ''اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَ اتَّقِ اللهَ وَ تُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللهُ مُبْدِيْهِ''۔ کا یہی معنی لیا ہے (2) اور اپنی خبثِ باطنی کے باعث بارگاہِ رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات میں گستاخی کی جرأت کی۔

1۔ حیاۃ محمد، از محمد حسین ہیکل، صفحہ 307 ومابعد (ماخوذ) مطبوعہ مطبعۃ دار الکتب المصریہ قاہرہ

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جلد 14، صفحہ 190

Marfat.com

دل ہرگز برداشت نہیں کرتا کہ ان کی اس یاوہ گوئی کو لکھنے کی جرأت کروں لیکن جب تک اسے لکھا نہ جاتا اس کا ردّ ممکن نہ تھا۔ میں آپ کو ایک عقیدت مند کی حیثیت سے نہیں ایک حقیقت پسند کی حیثیت سے ان کی اس ہرزہ سرائی میں غور کرنے کی دعوت دیتا ہوں، صداقت خود بخود نکھر کر سامنے آجائے گی۔

اگر حضرت زینب ایک اجنبی خاتون ہوتیں، کسی غیر قبیلہ کی فرد ہوتیں جنہیں حضور نے کبھی نہ دیکھا ہوتا، تو پھر ان کی اس بے سروپا حکایت کو ماننے کی وجہ بھی ہوتی کہ اچانک دیکھا اور دل میں ان کی خوبصورتی کو دیکھ کر جذبۂ الفت پیدا ہوا۔ حالانکہ واقعہ ایسا نہیں۔ آپ حضور کی پھوپھی زاد ہیں، حضرت عبدالمطلب کی نواسی ہیں، حضور کے سامنے ولادت ہوئی، حضور کے گھر کے صحن میں ان کا بچپن گزرا، حضور کی آنکھوں کے سامنے وہ جوان ہوئیں، صبح وشام اپنی پھوپھی کے ہاں آمد و رفت رہتی۔ کونسی ایسی بات تھی جس کا حضور کو علم نہ تھا۔ ان کی زندگی کا کونسا ایسا پہلو تھا جو حضور پر مخفی تھا اور اس روز اچانک آشکارا ہوا اور محبت کا طوفان امڈ آیا(1)۔ نعوذ باللہ

اور سنیے! حضرت زینب ان سعادت مند خواتین میں سے تھیں جو اسلام کے ابتدائی دور میں ایمان سے مشرف ہوئیں۔ پھر حضور کی ہجرت کے بعد مکہ چھوڑ کر مدینہ طیبہ میں آگئیں۔

مزید غور فرمایئے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں حضرت زید کے لیے شادی کا پیغام بھیجا تو انہوں نے اور ان کے بھائی نے یہ خیال کیا کہ حضور اپنی ذاتِ اقدس کے لیے رشتہ طلب فرما رہے ہیں، اس خیال کے پیش نظر انہوں نے بطیبِ خاطر بصد مسرت اس پیغام کو قبول کیا۔ لیکن جب پتہ چلا کہ یہ پیغام زید کے لیے تھا، تو پھر وہ صورتِ حالات پیدا ہوئی جس کا ذکر ابھی گزر چکا ہے۔

جب حقیقت حال یہ ہے تو کوئی غیرت مند اور حقیقت پسند شخص اس داستان سراپا ہذیان کو قبول نہیں کرسکتا۔ یہ عجیب بات ہے کہ جب حضرت زینب کنواری تھیں اور حضور کے حرم کی زینت بننے کو اپنے لیے اور اپنے کنبہ کے لیے باعثِ صد عزت محسوس کرتی تھیں، اس وقت تو حضور کے دل میں کوئی کشش پیدا نہ ہوئی اور جب ایک سال سے زائد عرصہ آپ کے آزاد کردہ غلام کے ساتھ ازدواجی زندگی بسر کرچکیں تو اچانک یہ صورت پیدا ہوگئی جو ان عقل کے اندھوں کو نظر آنے لگی۔

1۔ الانسان الکامل، صفحہ 104، مطبوعہ مطبع سحر جدہ۔ احکام القرآن از ابن عربی، جلد 3، صفحہ 1543، مطبوعہ دارالفکر بیروت

Marfat.com

آپ پوچھ سکتے ہیں کہ پھر قرآنِ کریم کے ان جملوں کا مطلب کیا ہے۔(1) اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس روکے رکھو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ حضور کو یہ فرمانے کی کیا وجہ تھی؟ (۲) تُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ: وہ کیا بات تھی جسے حضور اپنے دل میں چھپانا چاہتے تھے۔ (۳) تَخْشَى النَّاسَ کا معنی کیا ہے۔ حضور لوگوں سے کیوں خوف فرما رہے تھے؟

آیئے یہ بھی سن لیجیے تا کہ آپ کے دل کی ہر خلش دور ہو جائے۔ بفضلہٖ تعالیٰ۔

حضرت زینب نے ارشادِ نبوی کے مطابق حضرت زید سے نکاح تو کر لیا تھا۔ لیکن مزاج اور طبیعت کا تفاوت قائم رہا۔ آپ کو اپنے عالی خاندان اور شریف النسب ہونے پر جو فخر تھا اس سے ان کی خانگی زندگی تلخیوں سے دوچار ہوتی رہتی تھی۔ وہ اپنے خاوند کے ساتھ وہ سلوک روا نہ رکھتیں جو روا رکھنا چاہیے تھا۔ تلخ کلامی اور تو تو میں میں کی نوبت اکثر آتی رہتی تھی۔ حضرت زید بھی غیرت مند جوان تھے۔ وہ آئے دن کی یہ بے عزتی اور تذلیل برداشت کرتے کرتے تھک گئے تھے۔ ان کا پیمانہء صبر لبریز ہو چکا تھا۔ خانگی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے ان کی ساری کوششیں ناکام ہو چکی تھیں۔ سال بھر کی ترش کلامی کے باعث زید دل برداشتہ ہو گئے۔ باہمی مودت و الفت کی جگہ شدید نفرت نے لے لی اور طلاق کے بغیر اس الجھن کا انہیں کوئی حل نظر نہیں آتا تھا۔ کیونکہ یہ نکاح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود کیا تھا، اس لیے ان کی یہ مجال نہ تھی کہ چپکے سے طلاق دے کر انہیں فارغ کر دیتے۔ حضور کی خدمت میں عرض کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ حاضر ہوئے اور اپنی ساری بپتا کہہ سنائی۔ حضور کو بھی زید کے اس ارادے سے بڑی تشویش ہوئی اور یہ بالکل قدرتی عمل تھا۔ کل اتنا مجبور کر کے نکاح کیا اور آج زید نے طلاق دے دی لوگ کیا کہیں گے؟ چنانچہ حضور نے انہیں یہی سمجھایا کہ تم طلاق دینے سے باز آؤ اور اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ کل میں نے بڑے شوق سے تمہارا نکاح کیا ہے آج اگر تم طلاق دیدو تو حضرت زینب اور ان کے عزیزوں کی دل شکنی ہوگی۔ لیکن حضرت زید کے لیے یہ ممکن نہ رہا تھا۔ اصلاحِ احوال کے لیے انہوں نے سارے جتن کیے تھے اور ہر امکانی کوشش کی تھی، لیکن حضرت زینب کے مزاج کو بدلنے میں کامیاب نہ ہو سکے(1)۔

اس جملہ سے یہ معنی اخذ کرنا کہ حضور محض ظاہرداری کی وجہ سے یہ فرما رہے تھے انسانیت،

1۔ محمد رسول اللہ از محمد رضا، صفحہ 219، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

Marfat.com

شرافت اور حقیقتِ حال کے ساتھ بہت بڑی بے انصافی ہے۔ بلکہ اس جملہ کا یہ مفہوم ہے جو میں نے عرض کیا۔ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ پر ان عیّاروں نے بڑی لے دے کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جس چیز کو حضور چھپا رہے تھے، وہ حضرت زینب سے محبت تھی۔ لیکن ان کی اس ہرزہ سرائی کو آیت کا اگلا حصہ باطل کر دیتا ہے۔ ارشاد ہے: مَااللّٰهُ مُبْدِیْهِ۔ یعنی آپ وہ چیز دل میں چھپا رہے ہیں جسے اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے۔ معلوم ہوا جسے حضور چھپا رہے تھے، وہ وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا۔ اب آپ یہ دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے کس چیز کو ظاہر فرمایا ہے تو جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا وہی وہ چیز ہے جس کو حضور چھپا رہے تھے۔ اس کے علاوہ کسی اور چیز کا تصور کرنا باطل، کذب اور محض افترا ہے۔ خود بتایئے کسی جگہ اللہ تعالیٰ نے اس عشق و محبت کو ظاہر کیا، صراحۃً نہ سہی کنایۃً، لفظاً نہ سہی اشارۃً؟ اگر ایسی کسی بات کا نام و نشان نہیں تو پھر تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ کا یہ معنی بیان کرنا جو ان لوگوں نے کیا ہے کتنی بڑی گستاخی ہے(1)۔

وہ بات جسے حضور چھپا رہے تھے اور جسے اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا، وہ کیا تھی؟ اس کے متعلق وضاحت سیدنا امام زین العابدین علی بن حسین علیہ وعلیٰ ابیہ وجدہٖ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے اس بیان سے ہوتی ہے۔ مَا اَوْحَی اللّٰهُ تَعَالٰی اِلَیْهِ اَنَّ زَیْنَبَ سَیُطَلِّقُهَا زَیْدٌ وَیَتَزَوَّجُهَا بَعْدُ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اِلٰی هٰذَا ذَهَبَ اَهْلُ التَّحْقِیْقِ مِنَ الْمُفَسِّرِیْنَ کَالزُّهْرِیِّ وَبَکْرِ بْنِ عُلَاءَ وَالْقُشَیْرِیِّ وَالْقَاضِیْ اَبِیْ بَکْرِ بْنِ الْعَرَبِیِّ وَغَیْرِهِمْ (روح المعانی، قرطبی)(2) یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پر یہ وحی فرمائی تھی کہ زید حضرت زینب کو طلاق دے دیں گے اور آپ ان سے نکاح فرمائیں گے۔ مفسرین میں سے اہلِ تحقیق کا یہی قول ہے۔ کیونکہ یہی وہ چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے زَوَّجْنٰکَهَا سے تعبیر فرمایا ہے اور اسکی حکمت بھی خود ہی بیان فرما دی کہ پہلے جو رسم چلی آ رہی ہے کہ اپنے متبنّیٰ کی زوجہ سے نکاح حرام ہے، اس کا خاتمہ کر دیا جائے تا کہ لوگ اس رسمِ قبیح کے باعث جن پریشانیوں سے دوچار ہیں ان کا ازالہ ہو سکے۔

ایک بار پھر وَتَخْشَی النَّاسَ کے کلمات پر بھی غور کیجیے اللہ تعالیٰ نے حضور کو بتا دیا کہ اس رسمِ بد کو ختم کرنے کے لیے اس کا فیصلہ یہ ہے کہ زید طلاق دے گا اور آپ ان سے نکاح کریں گے۔

1۔ حیاۃ محمد، صفحہ 307 تا 317 (ماخوذ)، مطبوعہ مطبعۃ دار الکتب المصریہ، قاہرہ

2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جلد 22، صفحہ 25

Marfat.com

حضور جانتے تھے کہ کفار و منافقین اس پر بہتان طرازی کا طوفان برپا کر دیں گے۔ حقیقت کو مسخ کر کے لوگوں کے سامنے پیش کریں گے اور پراپیگنڈہ کا جو مؤثر موقع انہیں ملا ہے، اس سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں گے۔ ان کی زبان درازیوں کے باعث ہوسکتا تھا کہ بعض کمزور ایمان والے پھسل جائیں۔ یہ اندیشہ تھا جو حضور دل ہی دل میں محسوس فرما رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بھی پسند نہیں کہ ایسے اندیشوں کو اس کا محبوب رسول پرِ کاہ کی بھی وقعت دے۔ جھوٹ کے طوفان باندھنے والے باندھا کریں۔ دینِ اسلام کا پرچم سرنگوں نہیں ہوگا۔ حضور کی عزت و عظمت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ اگر کوئی بدبخت ان کی ہرزہ سرائی سے متاثر ہو کر اسلام سے اپنا رشتہ توڑتا ہے تو آپ کو میرے محبوب! کیا پروا؟ ایک بار نہیں سو بار انہیں روٹھنے دو۔ اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا کا مطلب یہ ہے کہ جب زید طلاق دے دے اور وہ عدت گزار لیں اور زید کا ان کے ساتھ رابطہ کلی طور پر منقطع ہو جائے۔ اس کا یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ زید حضرت زینب کو طلاق دینے کے لیے بڑے بے چین ہیں، وہ اپنی اس خواہش کو پورا کر لیں۔ قَضَاءُ الْوَطَرِ كِنَايَةٌ عَنِ الطَّلَاقِ(1)۔

آخر میں ایک چیز کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ تم خواہ مخواہ یورپ کے مستشرقین اور مؤرخین پر برس رہے ہو یہ باتیں انہوں نے اپنے پاس سے تو نہیں گھڑیں تفسیر کی کتابوں میں ایسی روایتیں موجود ہیں۔ اس میں ان کا کیا قصور؟ جواباً گزارش ہے کہ علماء کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ ہر روایت قابلِ قبول نہیں۔ صرف وہ روایت ہی مقبول ہے جو نقد و بحث کی کسوٹی پر پوری اترے۔ ہمارے علمائے محققین نے اس روایت کو مسترد کر دیا ہے۔ علامہ ابنِ کثیر لکھتے ہیں: ذَكَرَ ابْنُ اَبِيْ حَاتِمٍ وَ ابْنُ جَرِيْرٍ هٰهُنَا اٰثَارًا عَنْ بَعْضِ السَّلَفِ اَجَبْنَا اَنْ نَّضْرِبَ عَنْهَا صَفْحًا لِعَدَمِ صِحَّتِهَا فَلَا نُوْرِدُهَا(2) کہ بعض علماء نے یہاں کئی روایتیں نقل کی ہیں لیکن وہ صحیح نہیں، اس لیے ہم ان کا ذکر نہیں کرتے۔ علامہ ابوحیان الاندلسی نے لکھا ہے کہ لِبَعْضِ الْمُفَسِّرِيْنَ كَلَامٌ فِي الْاٰيَةِ يَقْتَضِي النَّقْصَ مِنْ مَّنْصَبِ النُّبُوَّةِ ضَرَبْنَا عَنْهُ صَفْحًا(3)۔ یعنی بعض مفسرین نے یہاں ایسی باتیں کی ہیں جو شانِ رسالت کے منافی ہیں، اس لیے ہم نے ان کو نظر انداز کر دیا ہے۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جلد 22، صفحہ 25 2۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، جلد 3، صفحہ 491
3۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، جلد 7، صفحہ 234

Marfat.com

علامہ قرطبی لکھتے ہیں: اَمَّا مَا رُوِیَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ هَوٰی زَیْنَبَ امْرَاَةَ زَیْدٍ وَ رُبَمَا اَطْلَقَ بَعْضُ الْمَجَّانِ لَفْظَ عِشْقٍ فَهٰذَا اِنَّمَا یَصْدُرُ عَنْ جَاهِلٍ لِعِصْمَةِ النَّبِیِّ ﷺ عَنْ مِثْلِ هٰذَا اَوْ مُسْتَخِفٍ بِحُرْمَتِهٖ (قرطبی)(1) کہ یہاں جو افسانہ گھڑا گیا ہے یہ ان لوگوں کی طرف سے ہے جنہیں نبی کریم کی عصمت کا علم نہیں ہے یا انہوں نے دانستہ شانِ نبوت کو گھٹانے کی کوشش کی۔ علامہ آلوسی کی بھی یہی رائے ہے۔

فِیْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ

پر کوئی حرج نہ ہو اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں جب وہ انہیں طلاق دینے کا ارادہ پورا کر لیں۔ اور اللہ کا حکم تو

مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾ مَا كَانَ عَلَى النَّبِیِّ مِنْ حَرَجٍ فِیْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ

ہر حال میں ہو کر رہتا ہے۔ ۶۸ نہیں ہے نبی پر کوئی مضائقہ ایسے کام کرنے میں جنہیں حلال کر دیا ہے اللہ نے اس کے لیے۔ ۶۹

سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا

اللہ تعالیٰ کی یہی سنت ہے ان (انبیاء) کے بارے میں جو پہلے گزر چکے ہیں۔ اور اللہ کا حکم ایسا فیصلہ ہوتا ہے جو طے پا چکا

۶۸ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا۔ اس پر عمل ضروری تھا۔ چنانچہ اس کے رسول مقبول ﷺ نے اس کی تعمیل کر کے اس جاہلانہ رسم کو ہمیشہ کے لیے ختم کر کے رکھ دیا۔

۶۹ یہود اور منافقین یہ اعتراض کیا کرتے کہ پیغمبرِ اسلام دوسروں کو تو صرف چار بیویاں کرنے کی اجازت دیتے ہیں لیکن اپنے لیے یہ پابندی نہیں۔ یہ کہاں کا انصاف ہے؟ اس کے رد میں یہ آیات نازل ہوئیں اور معترضین کو کہا گیا کہ اگر پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کثرتِ ازواج کی وجہ سے تم اعتراض کرتے ہو تو حضرت داؤد جن کی سو بیویاں تھیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام جن کے تین سو حرم تھے، ان پر تو تم اعتراض نہیں کرتے۔ انہیں نبی مانتے ہو۔ زبور اور دیگر صحیفے تمہاری مقدس بائیبل میں درج ہیں۔ تمہیں چاہیے کہ ان پر بھی اعتراض کرو اور ان کی نبوت کا

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جلد 14، صفحہ 191

Marfat.com

بھی انکار کرو۔ جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حلال کی ہیں کسی کو حرف گیری کا حق نہیں پہنچتا۔ حضور سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو خصوصی رخصت عطا فرمائی تھی (1)۔

مَّقْدُوْرًا ﴿۳۸﴾ الَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَیَخْشَوْنَهٗ وَلَا یَخْشَوْنَ

ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں وہ نہیں ڈرا کرتے کسی

اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِیْبًا ﴿۳۹﴾ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ

سے اللہ تعالیٰ کے سوا ۷۰ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ حساب لینے والا۔ نہیں ہیں محمد (فداہٗ روحی) کسی کے باپ تمہارے

رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ

مردوں میں سے ۷۱ بلکہ وہ اللہ کے رسول ۷۲ اور خاتم النّبیین ہیں۔ ۷۳ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو

۷۰ جن اولوالعزم ہستیوں کو اللہ تعالیٰ منصب رسالت پر فائز کرتا ہے اور اپنے پیغامات پہنچانے کی ذمہ داری سونپتا ہے وہ حضرات صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور کسی سے ان کے دل میں خوف و ہراس پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اور اگر وہ اپنے فرائض منصبی ادا کرنے میں لوگوں سے خوفزدہ ہونے لگیں تو وہ رسالت و نبوت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برا نہیں ہو سکتے۔ اگر وہ کسی کی خاطر احکامِ الٰہی کی تبلیغ میں کوتاہی کریں تو ان کو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے کون بچا سکتا ہے؟

۷۱ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا جب حریمِ نبوت میں رونق افروز ہوئیں تو بہتان تراشی کے جس طوفان کا اندیشہ تھا وہ امنڈ کر آ گیا اور بد باطن یہودیوں اور منافقین نے کہنا شروع کر دیا کہ دیکھو اپنے بیٹے کی زوجہ کو اپنی زوجہ بنا لیا۔ کبھی ایسا اندھیر بھی ہوا تھا جیسے انہوں نے کر دکھایا۔ چلو ہمارے رسم و رواج کو تو رہنے دو، وہ خود بھی آج تک یہی بتاتے رہے کہ بیٹے کی بیوی سے باپ نکاح نہیں کر سکتا۔ اب پھر خود اپنے بیٹے زید کی مطلقہ اہلیہ کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔

ان کی اس ہرزہ سرائی کو قرآنِ حکیم نے اس ایک جملہ سے ختم کر کے رکھ دیا کہ تم میں سے حضور کسی مرد کے باپ نہیں۔ جب باپ نہیں ہیں تو زید بیٹا کیسے بن گیا؟ وہ تو اپنے باپ حارثہ کا بیٹا ہے۔ تمہارا یہ اعتراض محض تمہارے خبثِ باطن کی پیداوار ہے حقیقت سے اس کا دور کا بھی

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جلد 14، صفحہ 195

Marfat.com

واسطہ نہیں (1)۔

۷۲ باپ ہونے کی نفی کی اور اللہ تعالیٰ کا رسول ہونے کا اعلان فرما دیا۔ بیشک باپ اپنی اولاد پر بڑا مہربان اور شفیق ہوتا ہے لیکن رسول کو جو قلبی تعلق اپنی امت کے ہر ہر فرد سے ہوتا ہے اور جو لُطف و کرم وہ فرماتا ہے اس کے مقابلہ میں باپ کی ساری شفقتیں ہیچ ہیں۔ باپ کی مہربانیاں، اولاد کی جسمانی اور مادی دنیا تک محدود ہوتی ہیں۔ رسول کی نگاہِ کرم سے امتی کا جسم اور روح، ظاہر اور باطن، دل اور عقل سب فیض یاب ہوتے ہیں۔ باپ کی شفقتیں، روزِ حشر کسی کام نہیں آئیں گی بلکہ سارے دنیاوی رشتے اس دن ٹوٹ جائیں گے۔ یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ ﴿۳۴﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ ﴿۳۶﴾ (عبس) لیکن رسول کے لطف و عنایت سے دنیا اور آخرت دونوں میں اس کا امتی شاد کام ہوتا ہے۔

۷۳ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نہایت شفقت کو بیان فرمایا جا رہا ہے کہ اگر حضور کے بعد بھی نبوت کا سلسلہ جاری رہتا تو حضور اتنی تندہی سے امت کے سامنے دینِ اسلام کے سارے گوشے آشکارا کرنے کی شاید زحمت نہ فرماتے۔ لیکن اب جبکہ نبوت کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے اور حضور ہی اس سلسلۂ ذھبیہ کی آخری کڑی ہیں تو آپ کی محبت اور اُلفت کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی چیز بھی ادھوری نہ رہنے دی جائے۔ ساری بری رسموں کا قلع قمع کر دیا جائے۔ کیونکہ اگر باطل کا کوئی پہلو اصلاح سے محروم رہا تو پھر اس کی اصلاح ممکن نہیں ہوگی اور اگر دورِ جاہلیت کی قبیح رسموں کو مٹایا نہ گیا، تو پھر ایسی ہستی پیدا ہی نہیں ہوگی جو ان کو مٹا سکے۔ اتنی محبوبیت، اتنی جامعیت اور اتنا تقدس کہاں پایا جائے گا؟ تاکہ دنیا اس کے اشارۂ ابرو پر اپنا سب کچھ نثار کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔

ختمِ نبوت کا عقیدہ اسلام کے ان چند بنیادی عقیدوں میں سے ایک ہے جن پر امت کا اجماع رہا ہے۔

اگرچہ بدقسمتی سے امتِ اسلامیہ کئی فرقوں میں بٹ گئی ہے۔ باہمی تعصب نے بارہا ملت کے امن و سکون کو درہم برہم کیا اور فتنہ و فساد کے شعلوں نے بڑے المناک حادثات کو جنم دیا لیکن اتنے شدید اختلافات کے باوجود سارے فرقے اس پر متفق رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں اور حضور کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ چنانچہ گزشتہ تیرہ صدیوں میں جس نے بھی نبی بننے کا

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جلد 14، صفحہ 196

Marfat.com

دعویٰ کیا اس کو مُرتد قرار دے دیا گیا اور اس کے خلافِ علم جہاد بلند کر کے اس کی جھوٹی عظمت کو خاک میں ملا دیا گیا۔ مسیلمہ نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو حضرت صدّیقِ اکبر نے نتائج کی پروا کیے بغیر اس کے خلاف لشکر کشی کی اور تب چین کا سانس لیا جب اس جھوٹے نبی کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ بیشک اس جہاد میں ہزاروں کی تعداد میں مسلمان بھی شہید ہوئے۔ جن میں سینکڑوں حفاظِ قرآن اور جلیل المرتبت صحابہ تھے لیکن حضرت صدّیق نے اتنی قربانی دے کر بھی اس فتنے کو کچلنا ضروری سمجھا۔ آپ نورِ صدّیقیت سے دیکھ رہے تھے کہ اگر ذرا تساہل برتا تو یہ امت سینکڑوں گروہوں میں نہیں سینکڑوں امتوں میں بٹ جائے گی۔ ہر امت کا اپنا نبی ہوگا اور وہ اسی کی شریعت اور سنت کو اپنائے گی۔ اس طرح اس رحمہ للعالمین کے زیرِ سایہ اسلام کے پلیٹ فارم پر انسانیت کے اتحاد کی ساری امیدیں ختم ہو جائیں گی اور اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا کا سُہانا منظر کبھی بھی نظر نہیں آئے گا۔ ناظرین کو یہ بات بھی مدِّ نظر رکھنی چاہیے کہ مسیلمہ حضور کی نبوت کا منکر نہیں تھا بلکہ اپنے دعوئے نبوت کے ساتھ ساتھ وہ حضور کی رسالت کو بھی تسلیم کرتا تھا۔ چنانچہ حضور خاتم الانبیاء والرسل کی ظاہری زندگی کے آخری ایام میں اس نے جو عریضہ ارسال خدمت کیا تھا، اس کے الفاظ یہ ہیں:

مِنْ مُّسَیْلَمَۃَ رَّسُوْلِ اللّٰہِ اِلٰی مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰہِ (1)۔ کہ یہ خط مسیلمہ کی طرف سے جو اللہ تعالیٰ کا رسول ہے محمد رسول اللہ کی طرف لکھا جا رہا ہے۔

علامہ طبری نے اس امر کی بھی تصریح کی ہے کہ اس کے ہاں جو اذان مروج تھی اس میں اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ بھی کہا جاتا تھا (2)۔ بایں ہمہ حضرت صدیق نے اس کو مرتد اور واجب القتل یقین کر کے اس پر لشکر کشی کی اور اس کو واصل بجہنم کر کے آرام کا سانس لیا۔

اسلام کی تیرہ صد سالہ تاریخ میں جب بھی کسی سر پھرے، طالع آزما یا فتنہ پرداز نے اپنے آپ کو نبی کہنے کی جرأت کی تو اس کو قتل کر دیا گیا۔

انگریز کی غلامی کے دور میں ملتِ اسلامیہ کو جس طرح دوسرے کئی مصائب سے دو چار ہونا

1۔ تاریخ ابن خلدون، جلد 2، صفحہ 839، مطبوعہ دار الکتب اللبنانی، بیروت، 1966ء
الوثائق السیاسیۃ از محمد حمید اللہ، صفحہ 305، مطبوعہ دار النفائس بیروت
2۔ تاریخ طبری، جلد 2، جز 3، صفحہ 244

Marfat.com

پڑا، اسی طرح ایک جھوٹی نبوت قائم کر کے امت میں انتشار پیدا کیا گیا۔ وہ مدعیٔ نبوت بظاہر عیسائیت کا ردّ کرتا تھا اور پادریوں سے مناظرے کرتا تھا۔ اس کے باوجود انگریز کا پرلے درجے کا وفادار تھا۔ ملکہ انگلستان کی شان میں اس نے ایسے تعریفی پمفلٹ لکھے کہ کوئی باغیرت مسلمان ان کو پڑھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ انگریز کی اسلام دشمنی اظہر من الشمس ہے جنہوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کا تختہ الٹا۔ سلطنتِ عثمانیہ کو پارہ پارہ کر دیا۔ ایسی ظالم اور اسلام دشمن حکومت کو اپنی وفاداری کا یقین دلانا اسلام سے غداری نہیں تو اور کیا ہے؟ انگریز نے اس کی نبوت کو اپنی سنگینوں کے سایہ میں پروان چڑھنے کا موقع دیا اور اس کو قبول کرنے والوں کے لیے بے جا نوازشات کے دروازے کھول دیئے۔ ہر مرزائی کے لیے کسی استحقاق کے بغیر اچھی سے اچھی ملازمتیں مختص کر دی گئیں۔ سیاسی میدان میں بھی ان کو آگے بڑھانے کی کوشش کی گئی۔ بیشک وہ شخص عیسائیت کے خلاف لکھتا اور بولتا تھا لیکن انگریز نے اس کے ذریعہ امتِ مسلمہ میں ایک نئی امت پیدا کر کے اور ان کے متفق علیہا بنیادی عقیدہ میں تشکیک پیدا کر کے جو مقصدِ عظیم حاصل کیا وہ بہت بڑا کارنامہ تھا اور اپنے دوررس نتائج کے اعتبار سے بڑا اہم تھا۔ اگر ایسا شخص عیسائیت کے خلاف کچھ بولتا ہے تو بولا کرے۔ اس سے انگریزی سیاست کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ عیسائیوں کی مخالفت ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے وہ انگریزی استعمار کی خدمت پوری دل جمعی سے انجام دے سکتا تھا، اگر وہ عیسائیوں کے خلاف کچھ نہ کرتا تو اس کی بات کوئی آدمی سننے کے لیے تیار نہیں تھا۔

مرزا غلام احمد کی نبوت کا پیغام لے کر جب مرزائی مبلغ اسلامی ممالک میں گئے، وہاں ان کا جو حشر ہوا وہ کسی سے مخفی نہیں۔ کئی ممالک میں تو انہیں مرتد قرار دے کر توپ سے اڑا دیا گیا۔ عالمِ اسلام کے تمام علماء نے بالاتفاق اس مدعیٔ نبوت کو مرتد اور خارج از اسلام قرار دیا۔

یہ عرض کرنے کا مقصد صرف اس حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ ختمِ نبوت کا عقیدہ ان بنیادی عقیدوں میں سے ایک ہے جن پر گوناگوں اختلافات کے باوجود تیرہ صدیوں تک امت کا کلی اتفاق اور قطعی اجماع رہا ہے۔ جس طرح ایک مسلمان کے لیے اللہ تعالیٰ کی توحید، قیامت، حضور کی رسالت کسی دلیل کی محتاج نہیں اسی طرح ختمِ نبوت کا مسئلہ بھی کبھی زیرِ بحث نہیں آیا اور اس کے ثبوت کے لیے کسی مسلمان کو کسی دلیل یا بحث و تمحیص کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ لیکن مرزا

قادیانی نے وہ کام کر دکھایا جس کی جرأت آج تک شیطان کو بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس مسئلہ پر شرح وبسط سے لکھا جائے تا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اُمتی کسی غلط فہمی کے باعث اپنے آقائے کریم سے کٹ کر نہ رہ جائے۔ رہے وہ لوگ جو شکم کو ایمان پر ترجیح دیتے ہیں اور مال و دولت کے حصول کی خاطر اپنا دین بدلنے میں بھی کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے بلکہ اسے کمال ہوشمندی سمجھتے ہیں تو ایسے لوگوں کا علاج کسی کے پاس نہیں۔ ہمیں ان کے لیے ملول نہیں ہونا چاہیے۔ نہ ایسے ابن الوقتوں کی خدا کو ضرورت ہے اور نہ اس کے رسول کو۔

ہمارا دعویٰ بلکہ ہمارا غیر متزلزل عقیدہ اور ایمان یہ ہے:

''حضور سرورِ عالم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے آخری نبی ہیں۔ حضور کی تشریف آوری کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ حضور کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آ سکتا۔ اور جو شخص اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور جو بد بخت اس کے اس دعویٰ کو سچا تسلیم کرتا ہے وہ دائرۂ اسلام سے خارج اور مرتد ہے اور اسی سزا کا مستحق ہے جو اسلام نے مرتد کے لیے مقرر فرمائی ہے۔''

اس عقیدہ کو ثابت کرنے کے لیے ہم ایسے دلائل پیش کریں گے جو قطعی اور یقینی ہیں اور جن میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ سب سے پہلے ہم قرآنِ کریم سے استدلال کرتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسمِ گرامی لے کر فرمایا ہے کہ محمد (فداہ ابی وامی) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور خاتم النّبیین ہیں۔ یعنی انبیاء کے سلسلہ کو ختم کرنے والے ہیں۔ جب مولا کریم جو بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ہے، نے یہ فرمایا کہ محمد مصطفےٰ نبیوں کو ختم کرنے والے آخری نبی ہیں تو حضور کے بعد جس نے کسی کو نبی مانا، اس نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تکذیب کی اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے کسی ارشاد کو جھٹلاتا ہے، وہ مسلمان نہیں رہ سکتا۔

خاتم النّبیین کا جو معنی یہاں کیا گیا ہے اہلِ لُغت نے اس کا یہی معنی لکھا ہے۔ اس وقت میرے پاس علمِ لُغت کی دوسری کتب کے علاوہ الصحاح للجوہری اور لسان العرب لابن منظور موجود ہیں جن کا شمار لغتِ عرب کی امہات الکتب میں ہوتا ہے۔ آؤ ان کے مطالعہ سے اس لفظ کی

Marfat.com

تحقیق کریں۔ ایک چیز پیش نظر رہے کہ صحاح کے مؤلف علامہ حماد بن اسماعیل الجوہری کا سنِ ولادت ۳۳۲ھ اور سالِ وفات ۳۹۳ھ یا ۳۹۸ھ ہے اور لسان العرب کے مؤلف علامہ ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور الافریقی المصری کا سنِ ولادت ۶۳۰ھ اور سالِ وفات ۷۱۱ھ ہے۔ یہ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ فتنہ انکارِ ختمِ نبوت سے صدہا سال پہلے یہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے مذہبی تعصب یا ذاتی عقیدہ کے باعث یہ لکھا ہے تا کہ ان کا قول حجت نہ رہے۔ بلکہ ان کی نگارشات اور ان کی تحقیقات اہلِ لغت کے اقوال کے عین مطابق ہیں۔ پہلے صحاح کی عبارت ملاحظہ فرمایئے۔ خَتَمَ اللّٰہُ لَہٗ بِخَیْرٍ: خدا اس کا خاتمہ بالخیر کرے۔ وَخَتَمْتُ الْقُرْاٰنَ: بَلَغْتُ اٰخِرَہٗ۔ یعنی میں نے قرآن آخر تک پڑھ لیا۔ اِخْتَتَمْتُ الشَّیْءَ: نَقِیْضُ افْتَتَحْتُہٗ: افتتاح کی نقیض اختتام ہے۔ وَالْخَاتَمُ وَالْخَاتِمُ بِکَسْرِ التَّاءِ وَ فَتْحِھَا وَ الْخِیْتَامُ وَ الْخَاتَامُ کُلُّہٗ بِمَعْنًی وَّ خَاتِمَۃُ الشَّیْءِ اٰخِرُہٗ۔ یعنی خاتَم خاتِم۔ خَیْتَام۔ خاتام سب کا ایک ہی معنی ہے اور کسی چیز کے آخر کو خاتمۃ الشئی کہتے ہیں۔ وَ مُحَمَّدٌ ﷺ خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ عَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام نبیوں سے آخر میں تشریف لے آئے (1)۔

علامہ ابنِ منظور لسان العرب میں لکھتے ہیں: خِتَامُ الْوَادِیْ ، اَقْصَاہُ وَ خِتَامُ الْقَوْمِ وَ خَاتِمُھُمْ وَ خَاتَمُھُمْ۔ اٰخِرُھُمْ وَ مُحَمَّدٌ ﷺ خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ عَلَیْہِ وَ عَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ۔ وادی کے آخری کونہ کو ختام الوادی کہتے ہیں۔ قوم کے آخری فرد کو ختام خاتم اور خاتم کہا جاتا ہے۔ اسی مناسبت سے حضور ﷺ کو خاتم الانبیاء فرمایا گیا ہے۔ لسان العرب میں التہذیب کے حوالہ سے لکھا ہے: وَ الْخَاتِمُ وَ الْخَاتَمُ مِنْ اَسْمَاءِ النَّبِیِّ ﷺ وَ فِی التَّنْزِیْلِ الْعَزِیْزِ وَ لٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ اَیْ اٰخِرَھُمْ وَ مِنْ اَسْمَائِہِ الْعَاقِبُ اَیْضًا وَّ مَعْنَاہُ اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ۔ یعنی خاتم اور خاتَم نبی کریم ﷺ کے اسمائے گرامی میں سے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ۔ یعنی سب نبیوں سے پیچھے آنے والا۔ اور حضور کے اسماء میں سے العاقب بھی ہے اس کا معنی آخر الانبیاء ہے (2)۔

اہلِ لُغت کی ان تصریحات سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ خاتم کی تاء پر زیر ہو یا زبر اس کا

1۔ الصحاح، جلد 5، صفحہ 1908 2۔ لسان العرب، جلد 12، صفحہ 65-164

Marfat.com

معنی ''آخری'' ہے۔اس معنی کی تائید کے لیے اہلِ لغت نے ایک دوسری آیت سے بھی استدلال کیا ہے وَ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ اَیْ اٰخِرُهٗ مِسْكٌ(1)۔یعنی اہلِ جنت کو جو مشروب پلایا جائے گا اس کے آخر میں انہیں کستوری کی خوشبو آئے گی۔

ختمِ نبوت کے منکرین اس موقع پر یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ خاتَم کا جو معنی آپ نے بیان کیا ہے (آخری) وہ یہاں مراد نہیں بلکہ اس کا دوسرا معنی مراد ہے اور یہ معنی بھی ان لُغت کی کتابوں میں موجود ہے جن کا حوالہ آپ نے دیا ہے۔جب ایک لفظ کے دو معنی ہوں تو وہاں ایک معنی مراد لینے پر بضد ہونا اور دوسرے معنی کو ترک کر دینا تحقیقِ حق کا کوئی اچھا مظاہرہ نہیں۔وہ کہتے ہیں: ہم بھی اس آیت کو مانتے ہیں اور اس کے معنی اپنی طرف سے نہیں گھڑتے تا کہ ہم پر تحریفِ قرآن کا الزام لگایا جائے بلکہ لُغتِ عرب کے مطابق ہی اس کا مفہوم بیان کرتے ہیں۔ کسی کو ہم پر اعتراض کا حق نہیں پہنچتا۔

صحاح اور لسان العرب دونوں میں خاتم کا معنی مُہر یا مُہر لگانے والا مذکور ہے۔آیت کا یہی معنی ابلغ اور شانِ رسالت کے شایان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انبیا پر مہر لگانے والے ہیں۔جس پر حضور نے مہر لگا دی وہ نبوت کے شرف سے مشرف ہو گیا اور جس پر مہر نہ لگائی، وہ نبوت کے منصب پر فائز نہیں ہو سکتا۔

اس کے متعلق گزارش ہے کہ بیشک لغت کی کتابوں میں خاتم کا معنی مہر یا مہر لگانے والا مرقوم ہے لیکن انہوں نے تصریح کر دی ہے کہ مذکورہ آیت میں خاتم النّبیین کا معنی آخر النّبیین ہے۔ یہاں فقط یہی معنی مراد ہے اور یہ لوگ اگر مصر ہوں کہ یہاں خاتم کا دوسرا معنی مراد ہے تو اس سے بھی انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ایسے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مطالعہ کرتے ہوئے غور و تدبّر سے کام نہیں لیا۔انہوں نے مُہر سے مراد ڈاکخانہ کی مہر یا کسی افسر کی مہر سمجھی ہے کہ لفافہ یا کارڈ پر مہر ٹھپہ لگایا اور اسے آگے بھیج دیا یا کسی کی درخواست پر اپنی مہر ثبت کی اور اسے مناسب کارروائی کے لیے متعلقہ دفتر روانہ کر دیا۔حالانکہ مُہر کا جو مفہوم اہلِ لُغت نے لیا ہے وہ قطعاً اس کے خلاف ہے۔کاش! انہیں بے جا تعصّب اس امر کی اجازت دیتا کہ وہ ائمۂ لغت کی عبارتوں میں غور کرتے۔آیئے! ہم آپ کی خدمت میں یہ عبارتیں پیش کرتے ہیں تا کہ آپ کسی صحیح فیصلہ پر پہنچ

1۔لسان العرب، جلد 12، صفحہ 164

سکیں۔ لسان العرب میں ہے: خَتَمَهٗ يَخْتِمُهٗ خَتْمًا وَّ خِتَامًا: طَبَعَهٗ فَهُوَ مَخْتُوْمٌ وَّ مُخَتَّمٌ شُدِّدَ لِلْمُبَالَغَةِ(1)۔ یعنی ختم کا معنی مُہر لگانا ہے اور جس پر مہر لگا دی جائے اس کو مختوم اور مبالغہ کے طور پر مختّم کہتے ہیں۔

اس کے بعد لکھتے ہیں: وَ مَعْنٰى خَتَمَ وَ طَبَعَ فِى اللُّغَةِ وَاحِدٌ وَ هُوَ التَّغْطِيَةُ عَلَى الشَّىْءِ وَالِاسْتِيْثَاقُ مِنْ اَنْ لَّا يَدْخُلَهٗ شَىْءٌ كَمَا قَالَ جَلَّ وَ عَلَا۔ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا(2)۔ اس عبارت کا ترجمہ ذرا غور سے سنیے یعنی ختم اور طبع کا لغت میں ایک ہی معنی ہے اور وہ یہ کہ کسی چیز کو اس طرح ڈھانپ دینا اور مضبوطی سے بند کر دینا کہ اس میں باہر سے کسی چیز کے داخلہ کا امکان ہی نہ ہو۔

پہلے زمانہ میں خلفاء، امراء، سلاطین وغیرہ اپنے خطوط کو لکھنے کے بعد کسی کاغذ کے لفافہ اور کپڑے کی تھیلی میں رکھ کر سر بمہر کر دیتے کہ جو کچھ لکھا جا چکا، اب اس کو سر بمہر کر دیا گیا ہے تا کہ اس مُہر کی موجودگی میں اس میں کوئی ردّ و بدل نہ کر دے۔ اگر کوئی ردّ و بدل کرے گا، تو وہ پہلے مہر توڑے گا اور جب مہر توڑے گا تو پکڑا جائے گا۔ اس پر احکامِ سُلطانی میں تغیر و تبدل کرنے اور امانت میں خیانت کرنے کے سنگین الزامات میں مقدمہ چلایا جائے گا۔ اس صورت میں خاتم النّبیین کا مطلب یہ ہوگا کہ پہلے انبیاء کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ حضور کی تشریف آوری کے بعد یہ سلسلہ بند ہو گیا اور اس پر مُہر لگا دی گئی تا کہ کوئی کذاب، دجّال اس میں داخل نہ ہو سکے۔ اگر کوئی شخص زبردستی اس زُمرہ میں گھسنا چاہے گا تو پہلے مہر توڑے گا اور جب مہر توڑے گا تو پکڑا جائے گا اور اسے جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

قرآنِ کریم کے الفاظ کا مفہوم سمجھنے میں عربی زبان کی لغات سے بھی بڑی مدد ملتی ہے۔ لیکن اس سلسلے میں بھی قولِ فیصل اور حرفِ آخر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیان کردہ تشریح ہوتی ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے کی تعلیم سے ارشاد فرماتے ہیں۔

آیئے اب احادیثِ نبویہ کا بغور مطالعہ کریں اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاتم النّبیین کے کلمات کا کیا مفہوم بیان فرمایا ہے۔

خاتم النّبیین کے معنی کی وضاحت کے لیے بے شمار صحیح احادیث کتبِ حدیث میں موجود

1۔ لسان العرب، جلد 12، صفحہ 163 2۔ ایضاً

Marfat.com

ہیں۔ سب کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں فقط چند احادیث یہاں تحریر کی جاتی ہیں جن کے دلوں میں ہدایت کی سچی طلب ہوگی مولا کریم اپنے حبیب رؤف رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے طفیل ہدایت کی راہیں ان کے لیے کھول دے گا اور اس کی توفیق ان کی دست گیری کرے گی۔

۱۔ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِنَّ مَثَلِیْ وَمَثَلَ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِیْ کَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی بَیْتًا فَاَحْسَنَهٗ وَاَجْمَلَهٗ اِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِّنْ زَاوِیَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یَطُوْفُوْنَ بِهٖ وَ یَعْجَبُوْنَ لَهٗ وَیَقُوْلُوْنَ هَلْ لَا وُضِعَتْ هٰذِهِ اللَّبِنَةُ فَاَنَا اللَّبِنَةُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ۔ (بخاری کتاب المناقب باب خاتم النبیین)(1)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک عمارت بنائی اور خوب حسین وجمیل بنائی مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوٹی ہوئی ہے۔ لوگ اس عمارت کے اردگرد پھرتے اور اس کی خوبصورتی پر حیران ہوتے مگر ساتھ ہی یہ بھی کہتے کہ اس جگہ اینٹ کیوں نہ رکھی گئی، تو وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النّبیین ہوں۔

اگر آپ اس ایک حدیث میں غور کریں گے تو بلاغتِ نبوی کے اعجاز کا آپ کو اعتراف کرنا پڑے گا۔ جب ایک عمارت مکمل ہو جاتی ہے اور اس میں کوئی خالی جگہ نہیں رہتی تو کوئی ماہر سے ماہر انجینئر بھی اس میں ایک اینٹ کا اضافہ نہیں کر سکتا۔ ہاں اس کی ایک ہی صورت ہے کہ پہلی اینٹوں میں سے کوئی اینٹ توڑ کر وہاں سے نکال لی جائے اور پھر اس خالی کرائی ہوئی جگہ پر کوئی نئی اینٹ لگا دی جائے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے قصرِ نبوت مکمل ہو گیا۔ اب اس میں کسی اور نبی کی گنجائش نہیں۔ بجز اس کے کہ سابقہ انبیاء میں سے کسی نبی کو وہاں سے نکالا جائے اور مرزا غلام احمد کے لیے جگہ بنائی جائے۔ کیا کوئی عقلِ سلیم اس کو گوارا کرے گی؟ قصرِ نبوت کی اس توڑ پھوڑ کو کیا اللہ تعالیٰ کی غیرت برداشت کرے گی؟ ہرگز نہیں۔ یہ ایک حدیث ہی اتنی جامع اور معنیٰ خیز اور اتنی بصیرت افروز ہے کہ ختمِ نبوّت کے لیے مزید کسی دلیل کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اس حدیث کو امام بخاری کے علاوہ امام مسلم نے کتاب الفضائل باب خاتم النّبیین میں اور امام ترمذی نے کتاب المناقب اور ابوداؤد طیالسی نے اپنی مسند میں مختلف اسناد سے نقل کیا ہے۔

1۔ صحیح بخاری، باب ما جاء فی اسماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جلد 1، صفحہ 501
ہندی نسخہ میں تَعْجَبُوْنَ ہے جب کہ بیروت کے نسخے میں یَعْجَبُوْنَ ہے اور هٰذِهِ اللَّبِنَةُ کے بعد قَالَ ہے۔ دیکھیے صحیح بخاری، جلد 3، صفحہ 1300، مطبوعہ بیروت

۲۔ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ فُضِّلْتُ عَلَی الْاَنْبِیَاءِ بِسِتٍّ اُعْطِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَ اُحِلَّتْ لِیَ الْغَنَائِمُ وَ جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّ طَھُوْرًا وَّ اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَافَّۃً وَّخُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ۔ (مسلم۔ترمذی۔ابن ماجہ)(1)

رسول کریم ﷺ نے فرمایا مجھے چھ باتوں میں انبیاء پر فضیلت دی گئی۔ (۱) مجھے جوامع الکلم سے نوازا گیا۔ یعنی الفاظ مختصر اور معانی کا بحرِ بے پیدا کنار (۲) رعب کے ذریعے میری مدد فرمائی گئی (۳) میرے لیے غنیمت کا مال حلال کیا گیا۔ (۴) میرے لیے ساری زمین کو مسجد بنا دیا گیا اور اس سے تیمم کی اجازت دی گئی۔ (۵) مجھے تمام مخلوق کے لیے رسول بنایا گیا اور (۶) میری ذات سے انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔

۳۔ حضرت انس ابن مالک سے مروی ہے۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ الرِّسَالَۃَ وَالنُّبُوَّۃَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ۔(2)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رسالت اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور میرے بعد نہ کوئی رسول آئے گا اور نہ کوئی نبی۔

سرورِ عالم ﷺ کی اس تصریح کے بعد جس کی کوئی تاویل ممکن نہیں کسی کا نبوت کا دعویٰ کرنا اور کسی کا اس باطل دعوی کو تسلیم کرنا سراسر کفر اور الحاد ہے۔

۴۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ اللّٰہَ لَمْ یَبْعَثْ نَبِیًّا اِلَّا حَذَّرَ اُمَّتَہُ الدَّجَّالَ وَ اَنَا اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ وَاَنْتُمْ اٰخِرُ الْاُمَمِ وَھُوَ خَارِجٌ فِیْکُمْ لَا مَحَالَۃَ۔ (ابن ماجہ)(3)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی نہیں بھیجا جس نے اپنی امت کو دجال کے خروج سے نہ ڈرایا ہو۔ اب میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو۔ وہ ضرور تمہارے اندر ہی نکلے گا۔

اس حدیث سے جس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا آخر الانبیاء ہونا ثابت ہو رہا ہے اسی طرح حضور ﷺ کی امت کا آخر الامم ہونا بھی ثابت ہو رہا ہے۔

۵۔ امام ترمذی نے کتاب المناقب میں یہ حدیث روایت کی ہے: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ لَوْ کَانَ

1۔ جامع ترمذی، ابواب السیر، جلد 1، صفحہ 188۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 199 (صحیح مسلم میں طھورًا و مسجدًا ہے) 2۔ جامع ترمذی، ابواب الرؤیا، جلد 2، صفحہ 51
3۔ سنن ابن ماجہ، باب فتنہ الدجال و خروج عیسٰی بن مریم، صفحہ 307

Marfat.com

بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَّکَانَ عُمَرَبْنُ الْخَطَّابِ۔(1)

اگر میرے بعد کسی کا نبی ہونا ممکن ہوتا تو عمر بن الخطاب نبی ہوتے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے فضائل صحابہ کے عنوان کے نیچے یہ ارشاد نبوی نقل کیا:

۶۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لِعَلِیٍّ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔(2)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (غزوۂ تبوک پر روانہ ہوتے وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مدینہ طیبہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا۔ آپ کچھ پریشان ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے) فرمایا میرے ساتھ تمہاری وہی نسبت ہے جو موسیٰ کے ساتھ ہارون کی تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

آخر میں ایک اور حدیث سماعت فرمایئے اور اسی کے ذکر پر احادیث کی نقل کا سلسلہ ختم ہوتا ہے۔

۷۔ عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ ..... وَاَنَّهٗ سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ کَذَّابُوْنَ ثَلَاثُوْنَ۔ کُلُّهُمْ یَزْعُمُ اَنَّهٗ نَبِیٌّ وَّاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔ (ابوداؤد۔ کتاب الفتن)(3)

حضرت ثوبان سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔۔۔۔ میری امت میں تیس کذاب ہونگے جن میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

علامہ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ متعدد احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: فَقَدْ اَخْبَرَ اللّٰهُ تَعَالٰی فِیْ کِتَابِهٖ وَ رَسُوْلُهٗ ﷺ فِی السُّنَّةِ الْمُتَوَاتِرَةِ عَنْهُ اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدَهٗ لِیَعْلَمُوْا اَنَّ کُلَّ مَنِ ادَّعٰی هٰذَا الْمُقَامَ بَعْدَهٗ فَهُوَ کَذَّابٌ اَفَّاكٌ دَجَّالٌ ضَآلٌّ مُّضِلٌّ (4)۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنتِ متواترہ میں بتایا ہے کہ حضور کے بعد کوئی نبی

1۔ جامع ترمذی، ابواب المناقب، مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب، جلد 2، صفحہ 209
(ہندی نسخہ میں لو کان نبی بعدی ہے جب کہ مذکورہ الفاظ بیروت کے نسخے کے مطابق ہیں۔ دیکھیے سنن ترمذی، جلد 5، صفحہ 578، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)
2۔ صحیح مسلم، باب من فضائل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، جلد 2، صفحہ 278
الصحیح البخاری، کتاب المناقب من فضائل علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ، جلد 1، صفحہ 526
3۔ سنن ابوداؤد، کتاب الفتن، جلد 2، صفحہ 228۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 278
4۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، جلد 3، صفحہ 494

Marfat.com

نہیں، تا کہ ساری دنیا جان لے کہ جو شخص بھی حضور کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ کذاب ہے، جھوٹا ہے، دجّال ہے، گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے۔ علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ روح المعانی میں لکھتے ہیں:

وَكَوْنُهٗ ﷺ خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ مِمَّا نَطَقَ بِهِ الْكِتَابُ وَ صَرَّحَتْ بِهِ السُّنَّةُ وَ اَجْمَعَتْ عَلَيْهِ الْاُمَّةُ فَيَكْفُرُ مُدَّعِيْ خِلَافِهٖ وَ يُقْتَلُ اِنْ اَصَرَّ(1)۔ یعنی حضور ﷺ کا خاتم النبیین ہونا ایسا عقیدہ ہے جس کی تصریح قرآن وسنت نے کی ہے۔ جس پر امت کا اجماع ہے۔ پس جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے گا، وہ کافر ہو جائے گا اور اگر اس نے توبہ نہ کی اور اس دعوی پر مصر رہا تو اس کو قتل کیا جائے گا۔

علامہ ابوحیان اندلسی متوفی ۷۴۵ھ اپنی تفسیر بحرِ محیط میں رقمطراز ہیں:

وَمَنْ ذَهَبَ اِلٰى اَنَّ النُّبُوَّةَ مُكْتَسَبَةٌ لَاتَنْقَطِعُ اَوْ اِلٰى اَنَّ الْوَلِيَّ اَفْضَلُ مِنَ النَّبِيِّ فَهُوَ زِنْدِيْقٌ يَجِبُ قَتْلُهٗ وَ قَدِ ادَّعٰى نَاسٌ النُّبُوَّةَ فَقَتَلَهُمُ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰى ذٰلِكَ وَ كَانَ فِيْ عَصْرِنَا شَخْصٌ مِّنَ الْفُقَرَاءِ ادَّعَى النُّبُوَّةَ بِمَدِيْنَةِ مَالِقَةٍ فَقَتَلَهُ السُّلْطَانُ بْنُ الْاَحْمَرِ مَلِكُ الْاَنْدُلُسِ بِغَرْنَاطَةَ وَ صُلِبَ حَتّٰى تَنَاثَرَ لَحْمُهٗ(2)۔ یعنی جس شخص کا یہ نظریہ ہو کہ نبوت کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا اور اسے اب بھی حاصل کیا جا سکتا ہے یا جس کا یہ عقیدہ ہو کہ ولی نبی سے افضل ہوتا ہے وہ زندیق ہے اور واجب القتل ہے۔ آج تک جن لوگوں نے نبوتِ کا دعوی کیا، مسلمانوں نے ان کو قتل کر دیا۔ ہمارے زمانہ میں بھی فقراء میں سے ایک شخص نے شہر مالقہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تو اندلس کے بادشاہ نے غرناطہ میں اس کا سر قلم کر دیا اور اس کی لاش کو سولی چڑھا دیا، وہ اسی حالت میں لٹکا رہا یہاں تک کہ اس کا گوشت گل کر گر پڑا۔ ان مذکورہ بالا اقتباسات سے امت کا ختمِ نبوت کے عقیدہ پر اجماع ثابت ہو گیا اور ہر زمانے کے علماء نے مدعیٔ نبوت کو گردن زدنی قرار دیا۔ آخر میں ہم ختمِ نبوت پر عقلی دلیل پیش کرتے ہیں۔

ختمِ نبوت کے عقلی دلائل (قدرت کے کام حکمت سے خالی نہیں ہوتے)

جب حضور نبی کریم ﷺ کی نبوت جملہ اقوامِ عالم کے لیے اور قیامت تک کے لیے ہے، جب حضور پر نازل شدہ کتاب بغیر کسی ادنیٰ تحریف کے جوں کی توں ہمارے پاس موجود ہے،

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جلد 22، صفحہ 41 2۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، جلد 7، صفحہ 236-37

Marfat.com

جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتِ مبارکہ اپنی ساری تفصیلات کے ساتھ اس کتاب کی تشریح وتوضیح کر رہی ہے، جب کہ شریعتِ اسلامیہ روزِ اوّل کی طرح آج بھی انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں ہماری راہنمائی کر رہی ہے، جب قرآنِ کریم کی یہ آیت مبارکہ آج بھی اعلان کر رہی ہے: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدہ) تو پھر کسی اور نبی کی بعثت کا کیا فائدہ ہے؟ اور اس سے کس مقصد کی تکمیل مطلوب ہے؟ آفتابِ محمدی طلوع ہو چکا۔ عالم کا گوشہ گوشہ اس کی کرنوں سے روشن ہو رہا ہے۔ تو پھر دن کے اجالے میں کسی چراغ کو روشن کرنا قطعاً قرینِ دانشمندی نہیں ہے۔

مزید غور فرمایئے۔ نبی کی آمد کوئی معمولی واقعہ نہیں ہوتا کہ نبی آیا، جس نے چاہا مان لیا اور جس نے چاہا انکار کر دیا اور بات ختم ہوگئی۔ بلکہ نبی کی بعثت کے بعد کفر اور اسلام کی کسوٹی نبی کی ذات بن کر رہ جاتی ہے۔ کوئی کتنا نیک، پاکباز، پارسا اور عالم باعمل ہو، اگر وہ کسی سچے نبی کی نبوت کو تسلیم نہیں کرے گا تو اس کا نام مسلمانوں کی فہرست سے خارج کر دیا جائے گا۔ اور کفار و منکرین کے زمرہ میں اس کا نام درج کر دیا جائے گا اور یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں۔

اب ذرا عملی دنیا میں مرزا صاحب کی آمد کا جائزہ لیجیے:

مسلمانوں کی تعداد کم سے کم اعداد و شمار کے مطابق پچاس کروڑ سے زائد ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان رکھتے ہیں۔ قرآن کریم کو خدا کا کلام یقین کرتے ہیں۔ تمام انبیاء جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوئے ان کی نبوت اور صداقت کا اقرار کرتے ہیں۔ قیامت کی آمد کے قائل ہیں۔ عملی طور پر غافل و کاہل سہی، لیکن احکامِ خداوندی اور ارشاداتِ نبوی کے برحق ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ ضروریاتِ دین میں سے ہر چیز پر ان کا ایمان ہے۔ اور اس امت میں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں ایسے بندگانِ خدا بھی ہر زمانہ میں موجود رہے ہیں جو شریعت پر پوری طرح کاربند، عبادات کے سختی سے پابند رہے ہیں ان کے اخلاص وللّٰہیت پر فرشتے رشک کرتے ہیں اور ان کے کارہائے نمایاں پر خود ان کے خالق کو ناز ہے۔

اسی پاک امت میں آکر مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ ان کی آمد سے پہلے تو یہ سارے کے سارے مسلمان تھے۔ چلو بعض میں عملی کوتاہیاں ہم تسلیم کرتے ہیں لیکن کم از کم نعمتِ ایمان سے تو وہ بہرہ ور تھے۔ اب حقیقتِ حال یہ ہے کہ پچاس سالہ کوششوں کے باوجود

Marfat.com

چند لاکھ کی نفری نے مرزا جی کو نبی مانا اور باقی پچاس کروڑ نے ان کو دجّال اور کذّاب قرار دیا۔ نبی کو ماننا اسلام ہے اور ان کا انکار کفر ہے مرزا صاحب نے اپنا سبز قدم جب دنیائے اسلام میں رکھا تو یہ بہار آئی کہ سارے کے سارے مرتد قرار پائے اور اسلام سے محروم ہو کر کُفر میں مبتلا ہو گئے۔ صرف گنتی کے چند آدمی مسلمان باقی رہے۔ ان میں بھی غالب اکثریت بلیک مارکیٹ کرنے والوں، رشوت لینے والوں، اقربا نوازی اور مرزائیت پروری کی قربان گاہ پر لاکھوں حقداروں کے حقوق بھینٹ چڑھانے والوں کی ہے۔ ان میں اکثر بے نماز، ڈاڑھی منڈے اور آوارہ مزاج لوگ ہیں۔ ہر قسم کی رذیل حرکتیں کرنے والوں کا ایک لشکرِ جرار ٹھاٹھیں مارتا ہوا آپ کو نظر آئے گا۔ آپ خود فیصلہ کریں کہ دنیائے اسلام کے لیے عملی طور پر مرزا صاحب کی آمد برکت کا باعث بنی یا نحوست کا؟

اللہ تعالیٰ کی حکمت اس کو پسند نہیں کرتی کہ مرزا صاحب کو سچا نبی بنا کر بھیجا جائے تا کہ اسلام کے سارے ہرے بھرے پیڑ اپنے خنک سائیوں، میٹھے پھلوں، رنگین اور مہکتے ہوئے پھولوں سمیت اُکھاڑ کر پھینک دیئے جائیں اور چند خاردار جھاڑیوں کے جھرمٹ پر ''گلشنِ اسلام'' کا بورڈ آویزاں کر دیا جائے۔ متقیوں، پرہیز گاروں، عالموں اور عاشقوں کی امت پر کفر کا فتویٰ لگا دیا جائے اور چند زاغ صفت طالع آزما افراد کو مسلمان ہونے کا سرٹیفکیٹ دے دیا جائے۔

مرزا صاحب کے امتی بڑی ڈینگیں مارتے ہیں کہ ہم دنیا کے گوشے گوشے میں اسلام پہنچا رہے ہیں۔ ہماری کوششوں سے یورپ میں اتنی مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ اتنے لوگوں کو ہم نے کلمہ پڑھایا۔

گزارش ہے تم تو مرزا صاحب کو اس لیے نبی کہتے ہو کہ اُنہوں نے چند کافروں کو کلمہ پڑھایا۔ ہم اولیائے کرام کے زمرہ سے آپ کو ایسے ایسے مبلغ دکھاتے ہیں جنہوں نے ہزاروں لاکھوں کفار کو کفر کی ظلمتوں سے نکال کر ہدایت کی شاہراہ پر گامزن کر دیا۔ داتا گنج بخش ہجویری نے اس کفرستان میں راوی کے کنارے پر توحید کا جو پرچم گاڑا تھا، وہ آج بھی لہرا رہا ہے اور لاکھوں خفتہ بختوں کو خوابِ غفلت سے جگا رہا ہے۔ خواجۂ خواجگان سلطان الہند معین الحق والدین اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لاکھوں مشرکوں کے زُنار توڑے اور ان کی پیشانیوں کو بارگاہِ رب العزت میں شرفِ سجود بخشا۔ مشائخِ چشت اور دیگر اولیائے کرام نے اسلام کی جو تبلیغ کی اور جو فرشتہ صفت مرید بنائے ان کے مقابلہ میں ساری امتِ مرزائیہ کی تبلیغی کوششوں کی نسبت سمندر

Marfat.com

اور قطرہ کی بھی نہیں۔ ان کارہائے نمایاں کے باوجود ان حضرات نے نہ نبوت کا دعویٰ کیا، نہ مہدیت کا، نہ مسیحیت کا، نہ ظلّی کا، نہ بروزی کا، بلکہ اپنے آپ کو غلامانِ مصطفےٰ ہی کہا اور اسی کو اپنے لیے باعثِ صد افتخار اور موجب سعادتِ دارین سمجھا۔

مرزا قادیانی کو اپنی نبوت تک پہنچنے کے لیے بڑا دور کا چکر کاٹنا پڑا۔ آخر کار آپ کی کمندِ فکر یہاں آ کر رکی کہ یہ تو احادیث سے ثابت ہے کہ عیسیٰ بن مریم آئیں گے، میں کیوں نہ اپنے آپ کو مسیحِ موعود کہنا شروع کر دوں تا کہ مجھے لوگ مسیح مان لیں۔ لیکن اس میں مشکل یہ پیش آئی کہ حضرت مسیح تو زندہ ہیں، ان کی زندگی میں میں مسیح کیسے بن سکتا ہوں؟ خیال آیا کہ پہلے مسیح کو مردہ ثابت کرو۔ جب وہ مردہ قرار پا گئے تو پھر میرے لیے میدان صاف ہو جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے اپنا سارا زور وفاتِ مسیح علیہ السلام ثابت کرنے پر لگا دیا۔

بیشک رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نزول فرمائیں گے۔ جن احادیث میں نزولِ مسیح کے متعلق تشریح کی گئی ہے، وہ اس کثرت سے مروی ہیں کہ معنوی طور پر وہ درجۂ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ آیئے آپ بھی ان احادیث کی جھلک ملاحظہ کیجیے۔ آپ کو پتہ چل جائے گا کہ نبی برحق نے کوئی مبہم پیش گوئی نہیں کی۔ کسی ایسے مسیح کی آمد کی اطلاع نہیں دی جس کی پہچان نہ ہو سکے اور جس شاطر کا جی چاہے وہ آنے والا مسیح بن بیٹھے، بلکہ نبی کریم نے اپنی امت کو اس کا نام بتایا، اس کی والدہ کا نام بتایا، اس کے لقب سے خبردار کیا، اس وقت اور مقام کی نشاندہی کی جس وقت اور جس مقام پر وہ نزول فرمائے گا۔ جو کارہائے نمایاں وہ انجام دے گا، اس کی تفصیل بیان فرما دی اور اس کے مدفن کا بھی تعین فرما دیا اور اس کا حلیہ بھی بیان کر دیا۔ اب اگر وہ احادیث صحیح ہیں جن میں حضرت عیسیٰ کی آمد کی خبر دی گئی ہے، تو ان تفصیلات کو بھی من وعن صحیح اور سچ تسلیم کرنا پڑے گا جو ان کے متعلق بتائی گئی ہیں اور اگر کوئی شخص ان تفصیلات کو ماننے سے انکار کر دے گا تو پھر اسے ان تمام احادیث کو بھی ساقط الاعتبار قرار دینا پڑے گا جن میں ان کی آمد کی پیش گوئی کی گئی ہے۔ تحقیق اور انصاف کا یہ کیسا معیار ہے کہ ایک روایت کی مفید مطلب آدھی بات تو مان لی اور اسی روایت کی دیگر تفصیلات کو نظر انداز کر دیا۔

ان کثیر التعداد احادیث میں سے چند احادیث جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا

Marfat.com

ذکر ہے۔

پہلی حدیث جسے امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنی کتب حدیث میں روایت کیا ہے:

۱۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَیُوْشِكَنَّ اَنْ یَّنْزِلَ فِیْكُمُ ابْنُ مَرْیَمَ حَكَمًا عَدْلًا فَیَكْسِرُ الصَّلِیْبَ وَ یَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ وَ یَضَعُ الْحَرْبَ وَ یُفِیْضُ الْمَالَ حَتّٰی لَایَقْبَلَهٗ اَحَدٌ حَتّٰی تَكُوْنَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَ مَا فِیْهَا۔ (بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب نزول عیسٰی بن مریم ۔ مسلم، باب بیان نزول عیسٰی۔ ترمذی، ابواب الفتن باب فی نزول عیسٰی۔ مسند احمد مرویات ابی ھریرۃ)(1)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اُس خدا کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے، ضرور اتریں گے تمہارے درمیان ابنِ مریم عادل حاکم کی حیثیت سے۔ پھر وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے اور خنزیر کو مار ڈالیں گے اور جنگ کا خاتمہ کر دیں گے اور مال کی اتنی فراوانی ہوگی کہ اسے کوئی لینے والا نہ ہوگا اور (دینداری کا یہ عالم ہوگا) کہ اپنے پروردگار کی جناب میں ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا۔

۲۔ امام بخاری نے کتاب المظالم، باب کسر الصلیب میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی یَنْزِلَ فِیْكُمُ ابْنُ مَرْیَمَ۔(2)

اس وقت تک قیامت برپا نہ ہوگی جب تک عیسی بن مریم کا نزول نہ ہو۔

۳۔ مشکوٰۃ المصابیح میں حضرت ابو ہریرہ سے منقول ہے:

فَبَیْنَمَا هُمْ یَعُدُّوْنَ لِلْقِتَالِ یُسَوُّوْنَ الصُّفُوْفَ اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوةُ فَیَنْزِلُ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ فَاَمَّهُمْ فَاِذَا رَاٰهُ عَدُوُّ اللهِ ذَابَ كَمَا یَذُوْبُ الْمِلْحُ فِی الْمَاءِ فَلَوْ تُرِكَهُ لَانْذَابَ حَتّٰی یَهْلِكَ وَلٰكِنْ یَقْتُلُهُ اللهُ بِیَدِهٖ فَیُرِیْهِمْ دَمَهٗ فِیْ حَرْبَتِهٖ۔(3)

حضور علیہ السلام نے خروجِ دجال کے ذکر کے بعد فرمایا۔ اس اثنا میں کہ مسلمان اُس سے

1۔ صحیح بخاری، باب نزول عیسیٰ بن مریم، جلد 1، صفحہ 490

2۔ صحیح بخاری، کتاب المظالم، باب کسر الصلیب و قتل الخنزیر، جلد 1، صفحہ 336

3۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب الملاحم، صفحہ 466

Marfat.com

لڑنے کی تیاری کر رہے ہوں گے صفیں درست کر رہے ہوں گے اور نماز کے لیے اقامت کہی جا چکی ہوگی کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے اور مسلمانوں کی امامت کرائیں گے اور دشمنِ خدا دجال ان کو دیکھے گا تو پگھلنے لگے گا جیسے نمک پانی میں پگھلتا ہے اگر آپ اس کو اپنی حالت پر ہی چھوڑ دیں، تو وہ از خود پگھل کر مر جائے، مگر اللہ تعالیٰ اس کو ان کے ہاتھ سے قتل کرائے گا اور آپ اپنے نیزے میں اس کا خون لگا ہوا لوگوں کو دکھائیں گے۔

۴۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ لَیْسَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَهٗ نَبِیٌّ (یَعْنِی عِیْسٰی) وَ اِنَّهٗ نَازِلٌ فَاِذَا رَاَیْتُمُوْهُ فَاعْرِفُوْهُ رَجُلًا مَرْبُوْعًا اِلَی الْحُمْرَةِ وَالْبَیَاضِ بَیْنَ مُمَصَّرَتَیْنِ كَاَنَّ رَاْسَهٗ یَقْطُرُ وَاِنْ لَّمْ یُصِبْهُ بَلَلٌ فَیُقَاتِلُ النَّاسَ عَلَی الْاِسْلَامِ فَیَدُقُّ الصَّلِیْبَ وَ یَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ وَ یَضَعُ الْجِزْیَةَ وَ یُهْلِكَ اللّٰهُ فِیْ زَمَانِهِ الْمِلَلَ كُلَّهَا اِلَّا الْاِسْلَامَ وَ یُهْلِكُ الْمَسِیْحُ الدَّجَّالَ فَیَمْكُثُ فِی الْاَرْضِ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ثُمَّ یُتَوَفّٰی فَیُصَلِّیْ عَلَیْهِ الْمُسْلِمُوْنَ۔ (ابو داؤد، کتاب الملاحم، باب خروج الدجال، مسند احمد مرویاتِ ابی ھریرۃ)(1)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرے اور ان (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے اور یہ کہ وہ اترنے والے ہیں۔ پس جب تم ان کو دیکھو تو پہچان لینا۔ ان کا قد درمیانہ، ان کی رنگت سرخ و سپید، دو زرد رنگ کے کپڑے پہنے ہوں گے، ان کے سر کے بال ایسے ہوں گے گویا اب ان سے پانی ٹپکنے والا ہے حالانکہ وہ بھیگے ہوئے نہ ہوں گے، وہ اسلام پر لوگوں سے جنگ کریں گے، صلیب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے، خنزیر کو مار ڈالیں گے، جزیہ ختم کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے زمانہ میں اسلام کے بغیر تمام ملتوں کو ختم کر دے گا۔ اور وہ (مسیح) دجال کو قتل کر دیں گے اور وہ زمین میں چالیس سال قیام فرمائیں گے۔ پھر وہ وفات پا جائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔

۵۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ .... فَیَنْزِلُ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ ﷺ فَیَقُوْلُ اَمِیْرُهُمْ تَعَالَ صَلِّ لَنَا فَیَقُوْلُ لَا اِنَّ بَعْضَكُمْ عَلٰی بَعْضٍ اُمَرَاءُ تَكْرِمَةَ اللّٰهِ

1۔ سنن ابوداؤد، کتاب الملاحم، باب خروج الدجال، جلد 2، صفحہ 238
(ہندی نسخے میں یَعْنِیْ عِیْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ نَبِیٌّ ہے جب کہ مذکورہ الفاظ دار الکتب العلمیہ بیروت کے نسخے کے مطابق ہیں اور وَاِنَّهٗ نَازِلٌ کے بعد فَاِذَا ہے)۔

هٰذِهِ الْاُمَّةَ۔ (مسلم، بیان نزول عیسی علیه السلام بن مریم۔ مسند احمد، مرویاتِ جابربن عبداللہ)(1)

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: ''عیسیٰ بن مریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتریں گے۔ مسلمانوں کا امیر ان سے عرض کرے گا کہ حضور تشریف لائیے اور امامت فرمایئے۔ تو آپ فرمائیں گے نہیں تم میں سے بعض دوسروں کے امیر ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت کی تکریم کے طور پر ہے۔''

٦۔ عَنِ النُّوَاسِ بْنِ سُمْعَانَ (فِیْ قِصَّةِ الدَّجَّالِ) فَبَیْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ اِذَا بَعَثَ اللّٰهُ مَسِیْحَ بْنَ مَرْیَمَ فَیَنْزِلُ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَیْضَاءِ شَرْقِیَّ دِمَشْقَ بَیْنَ مَهْرُوْذَتَیْنِ وَاضِعًا كَفَّیْهِ عَلٰی اَجْنِحَةِ مَلَكَیْنِ اِذَا طَاْطَاَ رَاْسَهٗ قَطَرَ وَاِذَا رَفَعَهٗ تَحَدَّرَ مِنْهُ جُمَانٌ كَاللُّؤْلُؤِ فَلَا یَحِلُّ لِكَافِرٍ یَّجِدُ رِیْحَ نَفْسِهٖ اِلَّا مَاتَ وَنَفْسُهٗ یَنْتَهِیْ اِلٰی حَیْثُ یَنْتَهِیْ طَرْفُهٗ فَیَطْلُبُهٗ حَتّٰی یُدْرِكَهٗ بِبَابِ لُدٍّ فَیَقْتُلُهٗ (مسلم، ذکر الدجال۔ ابوداؤد، کتاب الملاحم۔ ترمذی، ابواب الفتن)(2)

حضرت نواس بن سمعان نے دجال کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ اس اثنا میں اللہ تعالیٰ مسیح بن مریم کو بھیج دے گا اور وہ دمشق کے مشرقی حصہ میں سفید مینار کے پاس زرد رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوئے، دو فرشتوں کے پروں پر اپنے ہاتھ رکھے ہوئے اتریں گے۔ جب وہ سر جھکائیں گے تو یوں محسوس ہوگا کہ قطرے ٹپک رہے ہیں اور جب سر اٹھائیں گے تو موتیوں کی طرح قطرے ڈھلکتے نظر آئیں گے۔ ان کے سانس کی ہوا جس کافر تک پہنچے گی، اور وہ ان کی حدِ نظر تک جائے گی، وہ زندہ نہ بچے گا۔ پھر ابنِ مریم دجال کا پیچھا کریں گے اور لدّ کے دروازے پر اسے جا پکڑیں گے اور قتل کر دیں گے۔

آخر میں ایک اور حدیث سماعت فرمایئے:

عَنْ ثَوْبَانَ مَوْلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ عَصَابَتَانِ مِنْ اُمَّتِیْ اَحْرَزَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰی مِنَ النَّارِ عَصَابَةٌ تَغْزُو الْهِنْدَ وَعَصَابَةٌ تَكُوْنُ مَعَ عِیْسَی بْنِ مَرْیَمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ۔ (نسائی، کتاب الجهاد۔ مسند احمد، مرویاتِ ثوبان)(3)

1۔ صحیح مسلم، باب نزول عیسیٰ بن مریم، جلد 1، صفحہ 87 2۔ صحیح مسلم، باب ذکر الدجال، جلد 2، صفحہ 401
3۔ سنن نسائی، کتاب الجہاد، باب غزوۃ الہند، جلد 6، صفحہ 43۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 278

Marfat.com

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام ثوبان سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا: میری امت کے دو لشکر ایسے ہیں جن کو اللہ نے دوزخ کی آگ سے بچالیا۔ ایک وہ لشکر جو ہندوستان پر حملہ کرے گا، دوسرا وہ جو عیسیٰ بن مریم کے ساتھ ہوگا۔

آپ نے ان احادیث کا مطالعہ فرمالیا۔ ان میں مسیح موعود کا حُلیہ، نام، والدہ کا نام، مقام اور وقتِ نزول، آپ کے کارہائے نمایاں سب کے سب مذکور ہیں۔ خدا کی شان ملاحظہ ہو کہ یہ شخص جو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس کا نام بھی عیسیٰ نہیں، حالانکہ ہزاروں مسلمان اس نام کے موجود ہیں۔ اس کی والدہ کا نام بھی مریم نہیں، حالانکہ ہزاروں مسلمان عورتیں اس نام کی اب بھی ہیں اور خود قادیان میں اس نام کی کئی لڑکیاں ہوں گی۔ صلیب کو توڑنا، خنزیر کو قتل کر کے عیسائیت کو نیست و نابود کرنا تو کُجا میاں جی ساری عمر عیسائی حکومت کے جھولی چُک بنے رہے اور اس کی خیرات پر پلتے رہے اور اس کی اسلام کُش سرگرمیوں پر تعریف و توصیف کے قصیدے لکھتے رہے۔ ساری دنیا کو دارالاسلام بنا جزیہ ختم کرنا تو بڑی دور کی بات، خدائے مصطفیٰ نے یہ بھی پسند نہ فرمایا کہ قادیان کا خطہ پاکستان بنے۔ اب بھی جو لوگ انہیں مسیح موعود مانتے ہیں، انکی نادانی قابلِ صد افسوس ہے۔

شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۴۰﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا ﴿۴۱﴾ وَّ

خوب جاننے والا ہے۔ ۷۴ اے ایمان والو! یاد کیا کرو اللہ تعالیٰ کو کثرت سے۔ ۷۵ اور

۷۴ اللہ تعالیٰ، جس نے اپنے محبوب کو اپنا رسول بنایا اور پھر اس کی ذاتِ پاک پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا وہ ہر چیز کو اچھی طرح جانتا ہے۔ دنیا کے حالات ہزاروں پلٹے کھائیں۔ معاشی اور سیاسی میدانوں میں کتنے ہی انقلاب کیوں نہ برپا ہوں، ہر قوم کے لیے ہر زمانہ میں فلاحِ دارین کا راستہ دکھانے کے لیے اب کسی دوسرے نبی کی ضرورت نہیں۔ یوں نہیں ہے کہ سلسلۂ نبوت بند کرنے کا فیصلہ کسی ایسی ہستی نے کیا ہو، جو آنے والے حالات سے بے خبر ہے، مختلف قوموں اور ملکوں کی ضرورتوں سے ناواقف ہے بلکہ یہ فیصلہ اس ذاتِ والا صفات کا ہے جو کائنات کی ہر چیز سے واقف ہے اور ان تمام امور سے بھی باخبر ہے جن پر عالمِ انسانیت کی فلاح و بقا کا انحصار ہے۔ اس لیے اس کے فیصلے اٹل ہیں، وہ منسوخ نہیں ہو سکتے۔ ان میں کسی ترمیم کی قطعاً گنجائش نہیں۔

۷۵ جس رب کریم نے تمہیں اپنے محبوب کی امت بننے کا شرف بخشا ہے اس کی اس نعمتِ عظمیٰ پر شکر ادا کرنے کے لیے کثرت سے اس کا ذکر کرو۔ تمہارے دن کا آغاز بھی اور اس کی انتہا

Marfat.com

بھی اس کی پاکی بیان کرنے میں ہو۔

سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ﴿۴۲﴾ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَ مَلٰٓئِكَتُهٗ

اس کی پاکی بیان کیا کرو صبح وشام۔ اللہ وہ ہے جو رحمت نازل کرتا ہے تم پر اور اس کے فرشتے بھی ۷۶ (تم پر نزول رحمت کی دعا کرتے ہیں)

لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿۴۳﴾

تاکہ وہ نکال کر لے جائے تمہیں (طرح طرح کے) اندھیروں سے نور کی طرف۔ ۷۷ اور وہ مومنوں پر ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚۖ وَ اَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿۴۴﴾ يٰٓاَيُّهَا

انہیں یہ دعا دی جائے گی۔ جس روز وہ اپنے رب کریم سے ملیں گے، ہمیشہ سلامت رہو۔ ۷۸ اور اس نے تیار کر رکھا ہے ان کے لیے عزت والا

۷۶ اپنے بندے پر اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ بھیجنے کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کے سامنے اپنے مقبول بندے کی تعریف فرماتا ہے۔ (۲) اس پر اپنی رحمت نازل فرماتا ہے۔ اور فرشتوں کے صلوٰۃ بھیجنے کا یہ مفہوم ہے کہ وہ اس کے لیے مغفرت اور بخشش کی التجائیں کرتے ہیں۔ چنانچہ امام بخاری سے مروی ہے: وَالصَّلٰوةُ مِنَ اللهِ تَعَالٰى عَلَى الْعَبْدِ ثَنَاءُهٗ عَلَى الْعَبْدِ عِنْدَ الْمَلَائِكَةِ، حَكَاهُ الْبُخَارِيُّ ۔ وَقَالَ غَيْرُهٗ الصَّلٰوةُ مِنَ اللهِ عَزَّوَجَلَّ الرَّحْمَةُ وَاَمَّا الصَّلٰوةُ مِنَ الْمَلَائِكَةِ فَبِمَعْنَى الدُّعَاءِ لِلنَّاسِ وَالْاِسْتِغْفَارِ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ (1)

۷۷ اعتقاد کی کسی خرابی، عمل کی کسی کوتاہی یا غفلت اور سستی کے باعث وہ جس قسم کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں یہاں سے نکال کر ہدایت کی روشنی اور اجالے میں لے آتا ہے۔ یا حالت قبض کی وجہ سے ان کے سلوک میں اور کیفیات میں جو جمود اور کمی واقع ہوتی ہے، اس سے نکال کر بسط کی کیفیت سے دو چار کر دیتا ہے۔ اس کی رحمت کا بادل اپنے بندوں پر ہمیشہ برستا ہی رہتا ہے۔

1۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، جلد 3، صفحہ 96-495

۷۸ اس جملہ کا ایک مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب اہلِ ایمان بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوں گے اور شرفِ دیدار نصیب ہوگا، تو ایک دوسرے کو السلام علیکم کے دلنواز کلمات سے امن وسلامتی کی نوید دیں گے۔ دوسرا مطلب یہ بتایا گیا ہے کہ جب نورِ خداوندی بے نقاب ہوگا، چشمِ شوق اور دلِ حسرت مند لذتِ دید سے لطف اندوز ہوں گے، تو محبوبِ حقیقی کی طرف سے دعا دی جائے گی۔ ''سَلٰمٌ''، یعنی سلامت رہو۔

حسن مے گفت کہ شامے نہ پذیرد سحرم عشق مے گفت تبِ وتاب دوامے دارم (1)

کون کہتا ہے حسن کو عشق عزیز نہیں یا محبوب کو اپنے عاشقِ دلفگار کی پروا نہیں؟ یہاں جمالِ مطلق اور حسنِ کامل دعائیں دے رہا ہے کہ اے عشق کی بے چینیو! اور بے تابیو! تم سلامت رہو! اے چشمِ شوق تو سدا بینا رہے! اے دلِ دردمند تیرے ارمانوں کی خیر، تیری حسرتوں کی خیر!

عشق کو یہ پذیرائی حاصل تو ہوتی ہے لیکن امتحانوں کے کئی مرحلے ذوق ویقین سے طے کرنے کے بعد۔ بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ حسنِ بے نقاب کی برملا دعائیں تو اسی وقت سامع نواز ہوتی ہیں لیکن جب کوئی نیاز مند درد وسوز سے بے چین ہو کر سوئے منزل چل پڑتا ہے تو اسی وقت سے حسن کی نوازشیں شروع ہو جاتی ہیں۔ اسے بڑا خیال رہتا ہے کہ عاشقِ زار دلِ شکستہ نہ ہو جائے۔ بظاہر تغافل ہوتا ہے، حقیقت میں اس تغافل میں بھی توجہ کی کشش صاف معلوم ہوتی ہے جو مایوس نہیں ہونے دیتی۔ ہر لحہ قدم قدم پر راہ نوردِ عشق کی خبر گیری کی جاتی ہے کہ کوئی راہ زن اس کی متاعِ شوق کو لوٹ نہ لے۔ یہ نوازشیں ہوتی ہیں تب ہی کوئی مسکینِ بے نوا ہجر کی طویل راتوں کو کاٹتا ہوا جدائی کے عریض صحراؤں کو طے کرتا ہوا سرِ نیاز قدمِ یار پر رکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۶۹﴾ (العنکبوت:69) ترجمہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ عشق بھی حسن کا فیض ہے۔ عشق کی بے تابیاں بھی حسن کی عطا ہیں۔ عاشق کے صبر واستقامت میں بھی اس کی دستگیری اور اس کی کرم فرمائی شامل ہوتی ہے۔ حریمِ ناز کے دروازے عشق نہیں کھولتا اور نہ کھول سکتا ہے بلکہ حسن کی دلنوازیاں آگے بڑھ کر اپنے آبلہ پا مہمانوں کا استقبال کرتی ہیں اور خود ہی از راہِ بندہ پروری اپنے رخ سے نقاب الٹ دیتی ہیں۔

1۔ کلیات اقبال فارسی، صفحہ 334، پیام مشرق، صفحہ 164

Marfat.com

تب ہی وہ گھڑی آتی ہے جب کوئی خسرو یوں زمزمہ سنج ہوتا ہے۔

نخفت خسرو مسکیں ازیں ہوس شبہا   کہ بوسہ بر کف پائت نہد بخواب رود

النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّ دَاعِيًا اِلَى

اجر۔اے نبی (مکرم!) ہم نے بھیجا ہے آپ کو (سب سچائیوں کا) گواہ بنا کر ۷۹ اور خوشخبری سنانے والا ۸۰ اور بروقت ڈرانے والا۔ اور دعوت دینے والا

۷۹۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بڑے محبت بھرے انداز سے خطاب فرماتا ہے، اور اس کے بعد ان جلیل القدر خطابات کا ذکر کرتا ہے جن سے اس نے اپنے محبوب کو سرفراز فرمایا۔ ان کے ذکر سے اگر ایک طرف اپنے پیارے رسول کی عزت افزائی مقصود ہے تو دوسری طرف مسلمانوں کو بھی حوصلہ دیا جا رہا ہے کہ تم ان طوفانوں سے نہ گھبراؤ۔ ان تند و تیز لہروں سے پریشان ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ یہ منہ کھولے ہوئے گرداب تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اس ملت کا سفینہ ہم نے کسی ایسے ملاح کے سپرد نہیں کیا جو کم ہمت، دوں حوصلہ، نااہل اور ناتجربہ کار ہو۔ بلکہ اس کشتی کا ناخدا وہ نبیٔ برحق ہے جس کو ہم نے ان صفاتِ جلیلہ سے متصف کیا ہے۔ تم صبر و استقامت سے اس کا دامنِ اطاعت مضبوطی سے پکڑے رہو۔ یقیناً تمہیں ساحلِ مراد تک رسائی نصیب ہوگی۔ ساتھ ہی دشمنانِ اسلام کی ان ناپاک آرزوؤں کو بھی خاک میں ملا دیا جو اپنی سازشوں اور حیلہ سازیوں سے حق کی اس شمعِ فروزاں کو بجھانا چاہتے تھے۔

ارشاد فرمایا: اے میرے نبی! ہم نے تجھے شاہد بنایا ہے۔ شاہد کا معنی گواہ ہے اور گواہ کے لیے ضروری ہے کہ جس واقعہ کی وہ گواہی دے رہا ہے وہ وہاں موجود بھی ہو اور اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھے بھی۔ چنانچہ علامہ راغب اصفہانی نے مفردات میں لکھا ہے:

اَلشَّهَادَةُ وَ الشُّهُوْدُ اَلْحُضُوْرُ مَعَ الْمُشَاهَدَةِ اِمَّا بِالْبَصَرِ اَوِ الْبَصِيْرَةِ (1)۔ یعنی شہادت وہ ہوتی ہے کہ انسان وہاں موجود بھی ہو اور وہ اسے دیکھے بھی۔ خواہ آنکھوں کی بینائی سے یا بصیرت کے نور سے۔ یہاں ایک چیز غور طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تو فرمایا کہ ہم نے تجھے شاہد بنایا لیکن جس چیز پر شاہد بنایا، اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی ایک چیز ذکر کر دی جاتی تو شہادتِ نبوت وہاں محصور ہو کر رہ جاتی۔ یہاں اس شہادت کو کسی ایک امر پر محصور کرنا

1۔ مفردات راغب، صفحہ 465

Marfat.com

مقصود نہیں بلکہ اس کی وسعت کا اظہار مطلوب ہے۔ یعنی حضور گواہ ہیں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی تمام صفاتِ کمالیہ پر۔ کیونکہ جب ایسی باکمال ہستی اور ہمہ صفت موصوف ہستی یہ گواہی دے رہی ہو کہ لا الٰہ الا اللہ، تو کسی کو اس دعوت کے حق ہونے میں شک نہیں رہتا۔ دولت، حکومت، شخصی وجاہت، علم اور فضل و کمال یہ ایسے حجابات ہیں جن میں لوگ کھو جاتے ہیں اور اپنے خالقِ کریم کی ہستی سے غافل ہو جاتے ہیں۔ حضور کی اس شہادت سے وہ سارے حجاب تار تار ہو گئے اور اس جلیل المرتبت نبی کی شہادت توحید کے بعد کوئی سلیم الطبع آدمی اس کو تسلیم کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرے گا۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام، اس کے عقائد، اس کے نظامِ عبادات و اخلاق اور اس کے سارے قوانین کی حقانیت کے بھی گواہ ہیں۔ اسی کے اتباع میں فلاحِ دارین کا راز مضمر ہے۔ اسی آئین کے نفاذ سے اس گلشنِ ہستی میں بہار جاوداں آسکتی ہے اور جب قیامت کے روز سابقہ اُمتیں اپنے انبیاء کی دعوت کا انکار کر دیں گی کہ نہ ان کے پاس کوئی نبی آیا اور نہ کسی نے ان کو دعوتِ توحید دی اور نہ کسی نے انہیں گناہوں سے روکا۔ اس وقت بھرے مجمع میں اللہ تعالیٰ کا یہ رسول انبیاء کی صداقت کی گواہی دے گا کہ الٰہ العالمین! تیرے نبیوں نے تیرے احکام پہنچائے اور تیری طرف بلانے میں انہوں نے کسی کوتاہی کا ثبوت نہیں دیا۔ یہ لوگ جو آج تیرے انبیاء کی دعوت کا سرے سے انکار کر رہے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے نبیوں پر پتھر برسائے، ان کو طرح طرح کی اذیتیں دیں، انہیں جھٹلایا اور بعض نے تو تیرے نبیوں کو تختۂ دار پر کھینچ دیا۔ اس کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کے اعمال پر گواہی دیں گے کہ فلاں نے کیا کیا؟ اور فلاں سے کیا غلطی سرزد ہوئی؟ چنانچہ علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''شَاهِدًا عَلٰى اُمَّتِكَ''۔ یعنی حضور اپنی امت پر گواہی دینگے۔ اپنی اس تفسیر کی تائید میں انہوں یہ روایت پیش کی ہے: اَخْرَجَ ابْنُ الْمُبَارِكِ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ لَيْسَ مِنْ يَّوْمٍ اِلَّا وَ يُعْرَضُ عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم اُمَّتُهٗ غُدْوَةً وَّ عَشِيَّةً فَيَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ وَلِذٰلِكَ يَشْهَدُ عَلَيْهِمْ (مظہری)(1) یعنی حضرت عبداللہ بن مبارک نے حضرت سعید بن مسیب سے روایت کی ہے کہ ہر روز صبح شام حضور کی امت حضور پر پیش کی جاتی ہے اور حضور ہر فرد کو اس کے چہرے سے پہچانتے ہیں، اسی لیے حضور ان پر گواہی دیں گے۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، جلد 7، صفحہ 353۔ التذکرۃ للقرطبی، جلد 1، صفحہ 335، مکتبۃ الکلیات الزہرہ القاہرہ

Marfat.com

علامہ ابن کثیر اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

فَقَوْلُهٗ تَعَالٰى: شَاهِدًا اى لِلّٰهِ بِالْوَحْدَانِيَّةِ وَ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ غَيْرُهٗ وَ عَلَى النَّاسِ بِاَعْمَالِهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ(1)۔ یعنی حضور اللہ تعالیٰ کی توحید کے گواہ ہیں کہ اس کے بغیر کوئی معبود نہیں اور قیامت کے روز لوگوں کے اعمال پر گواہی دینگے۔

علامہ آلوسی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: شَاهِدًا عَلٰى مَنْ بُعِثْتَ اِلَيْهِمْ تُرَاقِبُ اَحْوَالَهُمْ وَ تُشَاهِدُ اَعْمَالَهُمْ ..... وَ تُؤَدِّيْهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَدَاءً مَقْبُوْلًا فِيْ مَالَهُمْ وَ مَا عَلَيْهِمْ (روح المعانی)(2) یعنی حضور گواہی دیں گے اپنی امت پر کیونکہ حضور ان کے احوال کو دیکھ رہے ہیں اور ان کے اعمال کا مشاہدہ فرمارہے ہیں اور روزِ قیامت ان کے حق میں یا ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

آگے چل کر علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ صوفیائے کرام نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ اَطْلَعَهٗ ﷺ عَلٰى اَعْمَالِ الْعِبَادِ فَنَظَرَ اِلَيْهَا لِذٰلِكَ اَطْلَقَ عَلَيْهِ شَاهِدًا(3)۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی کریم کو بندوں کے اعمال پر آگاہ فرمادیا ہے اور حضور نے انہیں دیکھا ہے، اس لیے حضور کو شاہد کہا گیا۔

اس قول کی تائید میں علامہ آلوسی نے مولانا جلال الدین رومی قدس سرہٗ کا یہ شعر نقل کیا ہے:

در نظر بودش مقامات العباد   زاں سبب نامش خدا شاہد نہاد(4)

کہ بندوں کے مقامات حضور کی نگاہ میں تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کا اسمِ پاک شاہد رکھا ہے۔

یہ لکھنے کے بعد علامہ موصوف فرماتے ہیں فَتَاَمَّلْ وَلَا تَغْفَلْ (5) کہ اس بیان کردہ حقیقت میں غور وفکر کرو اور غفلت سے کام نہ لو۔ مولانا شبیر احمد عثمانی نے اس مقام پر جو حاشیہ لکھا ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں: ''اور محشر میں بھی امت کی نسبت گواہی دینگے کہ خدا کے پیغام کو کس نے کس قدر قبول کیا'' (6)۔ الغرض وہ تمام ابدی صداقتیں جنہیں انسان سمجھنے سے قاصر ہے۔ عالمِ غیب کی وہ حقیقتیں جو عقل وخرد کی رسائی سے ماوراء ہیں ان سب کی سچائی کے آپ گواہ ہیں۔

1۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، جلد 3، صفحہ 497 2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جلد 22، صفحہ 45
3۔ ایضاً 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً 6۔ حاشیہ قرآن مجید از علامہ شبیر احمد عثمانی، صفحہ 550

Marfat.com

۸۰ آنحضرت کا دوسرا لقب ''مبشر'' ہے۔ یعنی خوشخبری دینے والے۔ جو اس دین پر ایمان لائے گا، اس کے ارشادات پر عمل کرے گا وہ دونوں جہانوں میں کامیاب و کامران ہوگا۔

علامہ اسماعیل حقی فرماتے ہیں۔ مُبَشِّرًا لِّاَهْلِ الْاِيْمَانِ وَ الطَّاعَةِ بِالْجَنَّةِ وَلِاَهْلِ الْمَحَبَّةِ بِالرُّؤيَةِ(1) کہ اہلِ ایمان اور اہلِ طاعت کو جنت کی خوشخبری دیتے ہیں اور اہلِ محبت کو دیدارِ محبوب کی۔

تیسرا لقب نَذِيْرًا ہے۔ نذیر کا معنی ہے کسی شخص کو نافرمانی کے نتائج سے بروقت آگاہ کر دینا۔ یہ بھی حضور کی شان ہے۔

وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ: یہ حضور کا چوتھا لقب ہے کہ حضور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے ہیں۔ اور یہ کام کیونکہ بہت ہی کٹھن اور دشوار ہے، کوئی آدمی اپنے عقیدہ کو چھوڑنے کے لیے بآسانی تیار نہیں ہوتا، خصوصاً مکہ کے مشرک جو کورانہ تقلید اور آباء پرستی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، جنہوں نے غور و فکر کے سارے دیے گل کر دیئے تھے، ان کو کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکال کر نورِ حق کی طرف لے آنا از حد دشوار تھا، یہی حالت یہود اور دوسرے اہلِ کتاب کی تھی، اس لیے ساتھ ہی ''بِاِذْنِهٖ'' کا کلمہ بڑھا دیا۔ یعنی اے محبوب! ہم نے اس دشوار کام کو آپ کے لیے آسان بنا دیا ہے۔ بِاِذْنِهٖ اَیْ بِتَسْهِيْلِهٖ وَتَيْسِيْرِهٖ تَعَالٰی (روح المعانی)(2) اور اس کی صورت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ کریم خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان گوناگوں خوبیوں اور دلفریبیوں سے مُمتاز فرمایا تھا کہ دل خود بخود اس طلعتِ زیبا کی طرف کھچے چلے جاتے تھے۔ وہ لوگ جن میں حق پذیری کا ادنیٰ سا بھی ملکہ موجود تھا وہ اس شمعِ جمال پر پروانہ وار نثار ہوتے تھے اور دنیا نے دیکھا کہ عرب کے اُجڈ اور سخت مزاج لوگ کس طرح اپنے بچوں، اپنے آباد گھروں، قیمتی مال و متاع اور وطن عزیز کو چھوڑ کر درِ مصطفٰے علیہ اطیب التحیۃ والثناء کی طرف کشاں کشاں جا رہے ہیں۔ ابھی چند روز پہلے خالد بن ولید نے میدانِ احد میں مسلمانوں کی فتح کو شکست میں تبدیل کر دیا لیکن وہی فاتح خالد مکہ کو الوداع کہہ رہا ہے اور اپنے گلے میں غلامی کا قلادہ ڈال کر سرکارِ مدینہ کی حاضری کے لیے کوہ و دمن، دشت و صحرا کو عبور کرتا ہوا چلا جا رہا ہے۔ یہی وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ کی شان کا ایک ظہور ہے۔

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، جلد 7، صفحہ 196 2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جلد 22، صفحہ 45

Marfat.com

اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ﴿۴۶﴾ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ

اللہ کی طرف اس کے اذن سے اور آفتاب روشن کر دینے والا۔ ۸۱ اور آپ مژدہ سنا دیں مومنوں کو کہ ان کے لیے اللہ کی

اللّٰهِ فَضْلًا كَبِیْرًا ﴿۴۷﴾ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَدَعْ

جناب سے بڑا ہی فضل ہے۔ ۸۲ اور نہ کہنا مانو کافروں اور منافقوں کا اور پروانہ کرو ان کی

۸۱ فرمایا: اے محبوب! میں نے تجھے سراجاً منیراً بنا کر بھیجا ہے۔ ان دو لفظوں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پر جن انعامات و لطائف کی بارش فرمائی ہے اس کی بیکرانیوں کا کون اندازہ لگا سکتا ہے؟ آفتاب اور آفتاب بھی عالمتاب، روشن اور اتنا روشن کہ دوسروں کو بھی نور و ضیاء کا منبع و مصدر بنا دینے والا۔ اہلِ دل نے یہاں بہت کچھ لکھا ہے۔ میں فقط حضرت عارف باللہ مولانا ثناء اللہ پانی پتی کا ایک جملہ لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں: اِنَّهٗ ﷺ كَانَ بِلِسَانِهٖ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَ بِقَلْبِهٖ وَ قَالِبِهٖ كَانَ مِثْلَ السِّرَاجِ یَتَلَوَّنُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِاَلْوَانِهٖ وَ یَتَنَوَّرُوْنَ بِاَنْوَارِهٖ (1)۔ یعنی حضور زبانِ فیض ترجمان سے تو داعی تھے اور اپنے قلبِ مبارک اور قالبِ منور کی وجہ سے سراجِ منیر تھے۔ اہلِ ایمان اس آفتاب کے رنگوں میں رنگے جاتے ہیں اور اس کے انوار سے درخشاں و تاباں ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس نورِ مجسم ﷺ کے انوار سے درخشاں راہِ حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

۸۲ پہلے تو اللہ تعالیٰ نے جو لطف و کرم اپنے حبیبِ کریم اور محبوبِ دلنواز ﷺ پر فرمایا، اس کا ذکر ہوا۔ اب اس ابرِ رحمت کا بیان ہو رہا ہے جو امتِ مسلمہ پر برسایا جانے والا ہے۔ ارشاد ہے: اے میرے نبی! اپنے غلاموں کو بھی یہ بشارت دے دو کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ان پر بھی ہو گا اور وہ فضل و کرم قلیل اور محدود نہیں ہو گا بلکہ فضلاً کبیراً ہو گا۔ آپ خود ہی غور فرمایئے کہ وہ رب العزت جس کے سامنے ساری دنیا متاعِ قلیل ہے یعنی تھوڑا سا سامان، تو جس فضل کو وہ کبیر فرما رہا ہے اس کی وسعتوں کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ یہ سب صدقہ ہے محبوبِ کریم رؤف رحیم ﷺ کا جن کی غلامی کے باعث ہمیں یہ شرف حاصل ہے۔ کاش! ہم اس غلامی کی قدر کو پہچانتے اور اس

1۔ تفسیر مظہری، زیرِ آیت ہذا، جلد 7، صفحہ 356

Marfat.com

جمالِ جہاں افروز پر اپنی جان، اپنا دل اور ہوش وخرد قربان کرتے جو صحابہ کرام کا طریقہ تھا۔ تب ہمیں اس فضل کبیر کا صحیح احساس ہوتا۔

اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۴۸﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اذیت رسانی کی اور بھروسہ رکھو اللہ پر ۸۳ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ (آپ کا) کارساز۔ اے ایمان والو!

اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ

جب تم نکاح کرو مومن عورتوں سے پھر تم انہیں طلاق دے دو اس سے پہلے کہ تم انہیں

تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ

ہاتھ لگاؤ پس تمہارے لیے ان پر عدت گزارنا ضروری نہیں جسے تم شمار کرو۔ لہٰذا انہیں کچھ مال

وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ

دے دو اور انہیں رخصت کردو خوبصورتی سے۔ ۸۴ اے نبی (مکرم!) ہم نے حلال کردی ہیں آپ کے لیے آپ کی ازواج

الّٰتِيْۤ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ

جن کے مہر آپ نے ادا کردیئے ہیں اور آپ کی کنیزیں جو اللہ نے بطورِ غنیمت آپ کو عطا کی ہیں ۸۵

۸۳ اے محبوب! جب ہم نے آپ کو ان عظمتوں سے نوازا ہے تو آپ کو کفار ومنافقین کا کہنا ماننے کی کیا ضرورت ہے؟ آپ ان کی اذیت رسانیوں سے خائف کیوں ہوں؟ آپ انہیں پرکاہ کی وقعت بھی نہ دیں اور یہ صاف صاف اعلان کردیں کہ جو تکلیف اور اذیت وہ پہنچانا چاہتے ہیں اس میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں۔ آپ کا پروردگار آپ کے ساتھ ہے۔ دنیا کی کوئی طاغوتی طاقت آپ کا بال بیکا نہیں کرسکتی اور آپکے دین کی ترقی میں روڑا نہیں اٹکا سکتی۔

۸۴ یہاں شرعی حکم بیان کیا جارہا ہے کہ اگر تم اپنی کسی ایسی منکوحہ کو طلاق دو جس سے تم نے خلوتِ صحیحہ نہیں کی تو اس مطلقہ کا عدت گزارنا لازمی نہیں۔ لیکن جب ان کو اپنی قیدِ نکاح سے آزاد کرو تو بے مروتی کا ثبوت نہ دو۔ طلاق دے کر تم نے ان کا دل توڑا ہے۔ ان کی کچھ مالی اعانت کردو، تاکہ ان کی دلجوئی ہوجائے۔ اگر ایسی عورت کا مہر مقرر تھا تو نصف مہر ادا کرنا ضروری

Marfat.com

ہے۔مہر مقرر نہ ہونے کی صورت میں ایک جوڑا کپڑوں کا دینا لازمی ہے۔

۸۵ اسلام نے مردوں کو شرطِ عدل کے ساتھ چار شادیاں کرنے کی اجازت دی ہے۔جس کی حکمتیں سورۂ نساء میں بیان ہو چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خاص حکمتوں کے پیش نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چار سے زیادہ ازواج کی اجازت مرحمت فرمائی۔دشمنان اسلام نے اس بات کو بھی ہدفِ تنقید بنایا خصوصاً عیسائی پادریوں نے۔لیکن اگر نظرِ انصاف سے دیکھا جائے تو یہ اجازت سراسر حکمت نظر آتی ہے۔تاریخ شاہد ہے کہ سب سے پہلے جس خاتون کو حضور نے شرفِ زوجیت بخشا ان کا اسم گرامی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے۔اس وقت حضور کا عنفوانِ شباب تھا۔عمر مبارک پچیس سال تھی۔ حضرت خدیجہ دو بار بیوہ ہونے کے بعد اپنے چالیسویں سال میں تھیں لیکن ان کے ساتھ زوجیت کے تعلقات اتنے خوشگوار تھے کہ ان کے وصال تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی دوسری کا کبھی خیال بھی نہیں فرمایا اور ان کے وصال کے بعد بھی اکثر ان کا ذکرِ خیر فرمایا کرتے یہاں تک کہ حضرت عائشہ بھی رشک کرنے لگتیں۔ حضرت خدیجہ کے وصال کے بعد ایک سن رسیدہ خاتون حضرت سودہ بنت زمعہ سے نکاح فرمایا۔ حضرت عائشہ سے عقد اگرچہ ہجرت سے پہلے ہو چکا تھا۔لیکن رخصتی ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت فاروقِ اعظم کی صاحبزادی تھیں جن کی شادی خنیس بن حذافہ سے ہوئی تھی وہ احد میں شدید زخمی ہوئے اور زخموں کی تاب نہ لا کر مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔ حضرت عمر اپنی اس صاحبزادی کے مستقبل کے متعلق بڑے پریشان تھے۔ حضور کا انہیں شرفِ زوجیت بخشنا نہ صرف ان کی دلجوئی کا باعث ہوا بلکہ اس سے حضرت فاروقِ اعظم کی بہت بڑی پریشانی دور ہوئی۔ حضور کی جتنی شادیاں ہوئیں ان سے دین کی تبلیغ اور اس کی اشاعت میں بڑا فائدہ ہوا۔ان سے مقصود یا تو اپنے غلاموں کی دلجوئی تھی یا دشمن قبائل کے ساتھ محبت اور مودت کے تعلقات قائم کرنے تھے۔ان شادیوں میں سے کسی شادی کو عشرت کوشی کی علامت قرار نہیں دیا جا سکتا(1)۔

وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ
اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپکے ماموں کی بیٹیاں اور آپکی خالاؤں کی بیٹیاں

1۔حیاۃ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم از محمد حسین ہیکل، صفحہ 14-310 (ماخوذ)

Marfat.com

اللّٰتِیْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۫ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِیِّ

جنہوں نے ہجرت کی آپ کے ساتھ اور مومن عورت اگر وہ اپنی جان نبی کی نذر کردے۔

اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ

اگر نبی اس سے نکاح کرنا چاہے۔ یہ (اجازت) صرف آپ کے لیے ہے، دوسرے مومنوں کے لیے نہیں۔ ۸۶

قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَیْهِمْ فِیْۤ اَزْوَاجِهِمْ وَ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ

ہمیں خوب علم ہے جو ہم نے مقرر کیا ہے مسلمانوں پر ان کی بیبیوں اور کنیزوں کے بارے میں

۸۶ اس کا تعلق یا تو اِنْ وَّهَبَتْ کے ساتھ یعنی کوئی مومن عورت اپنے آپ کو بغیر مہر کے پیش خدمت کرے اور حضور اسے قبول فرمائیں تو اس کا مہر ادا کرنا ضروری نہیں۔ یہ حکم صرف حضور کے ساتھ مخصوص ہے۔ عام مسلمانوں کے لیے بغیر مہر کے نکاح جائز نہیں۔ لیکن اس رخصت کے باوجود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر ایک کا مہر ادا کیا۔ یا اس لفظ کا تعلق چار سے زیادہ شادیاں کرنے کی رخصت سے ہے یعنی یہ اجازت صرف حضور کو ہے اور کسی کو نہیں (1)۔

لِكَیْلَا یَكُوْنَ عَلَیْكَ حَرَجٌ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝۵۰ تُرْجِیْ

تاکہ آپ پر کسی قسم کی تنگی نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

(آپ کو اختیار ہے) دور

مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَ تُـْٔوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَ مَنِ ابْتَغَیْتَ

کردیں جس کو چاہیں اپنی ازواج سے اور اپنے پاس رکھیں جس کو آپ چاہیں۔ اور اگر آپ (دوبارہ) طلب کریں جن کو

مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَنْ تَقَرَّ اَعْیُنُهُنَّ

آپ نے علیحدہ کردیا تھا تب بھی آپ پر کوئی مضائقہ نہیں۔ اس (رخصت) سے پوری توقع ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہونگی

1۔ احکام القرآن از ابن عربی، جلد 3، صفحہ 1559

Marfat.com

وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

اور وہ آزردہ خاطر نہ ہوں گی اور سب کی سب خوش رہیں گی جو کچھ آپ انہیں عطا فرمائیں گے۔

۸۷ اور (اے لوگو!) اللہ تعالیٰ

مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ﴿۵۱﴾ لَا يَحِلُّ لَكَ

جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا بردبار ہے۔ حلال نہیں

آپ کے لیے

النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ

دوسری عورتیں اس کے بعد اور نہ اسکی اجازت ہے کہ آپ تبدیل کرلیں ان ازواج سے دوسری بیویاں

۸۷ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی تمام بیویوں کے ساتھ مساوی سلوک کریں، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حکم سے بھی مستثنیٰ قرار دیا کہ آپ پر کوئی پابندی نہیں۔ لیکن اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ ہر بیوی کے ساتھ مساویانہ اور عادلانہ سلوک فرماتے۔ اس رخصت کی دو وجہیں ہیں۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ حضور کی طبعِ مبارک اتنی عادل اور انصاف پسند تھی کہ حکم نہ ہونے کی صورت میں بھی بے انصافی ممکن نہ تھی۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ ازواجِ طاہرات میں باہمی نزاع پیدا نہ ہو۔ تھوڑی تھوڑی بات کو بڑھا کر گھر کے سکون کو مکدر نہ کریں۔ اب جب حضور پر پابندی نہ رہی تو جس کو بھی حضور شرف بخشیں اور جتنا وقت شرف بخشیں اسی کو وہ غنیمت سمجھے گی اور کسی قسم کا مطالبہ کر کے یا شکوہ کر کے خاطرِ عاطر کو مشوش نہ کر سکے گی۔ اسی چیز کی طرف اللہ تعالیٰ نے آیت کے ان کلمات میں تصریح فرمادی۔ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ (1)۔

اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى

اگرچہ آپ کو پسند آئے ان کا حسن۔ بجز کنیزوں کے ۸۸ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز

كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿۵۲﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ

پر نگران ہے۔ اے ایمان والو! نہ داخل ہوا کرو نبی کریم کے گھروں میں ۸۹ بجز اس

1۔ احکام القرآن از ابن عربی، جلد 3، صفحہ 1568

Marfat.com

النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ

(صورت) کے کہ تم کو کھانے کے لیے آنے کی اجازت دی جائے (اور) نہ کھانا پکنے کا انتظار کیا کرو

اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ

لیکن جب تمہیں بلایا جائے، تو اندر چلے آؤ پس جب کھانا کھا چکو، تو فوراً منتشر ہو جاؤ اور نہ وہاں جا کر دل بہلانے

لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۫ وَاللّٰهُ

کیلئے باتیں شروع کر دیا کرو۔ تمہاری یہ حرکتیں (میرے) نبی کے لیے تکلیف کا باعث بنتی ہیں۔ پس وہ تم سے حیا کرتے ہیں (اور چپ رہتے ہیں) اور

۸۸ جب اللہ تعالیٰ نے امہات المؤمنین کو اجازت دیدی کہ چاہیں تو وہ اس فقر و فاقہ کے ساتھ اس کے رسول کی خدمت میں رہیں، چاہیں تو الگ ہو جائیں تو ان سب نے دنیا اور آسائشِ دنیا کو ٹھکرا کر کاشانۂ نبوّت میں عُسرت اور تنگی کی زندگی کو خوشی سے قبول کیا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ ایثار بہت پسند آیا اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرمایا کہ اب کسی اور کو شرفِ زوجیت نہ بخشا جائے۔ چنانچہ اس کے بعد حضور نے کسی دوسری آزاد عورت کے ساتھ نکاح نہیں فرمایا: البتہ کنیزوں کے متعلق رخصت بدستور باقی رکھی گئی (1)۔

۸۹ یہاں مسلمانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجروں میں داخل ہونے یا نہ ہونے کے متعلق ہدایات دی جا رہی ہیں۔ فرمایا: جب تک حضور اجازت نہ دیں تمہارا داخل ہونا قطعاً ممنوع ہے اور جب اجازت ملے تو داخل ہو سکتے ہو اور وہ بھی اتنے وقت کے لیے کہ کھانا کھاؤ اور اس کے بعد فوراً اٹھ کر چلے جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ وہاں بیٹھ کر باتیں کرنے لگو اور حضور کو اس طرح تمہارے دیر تک بیٹھنے سے تکلیف پہنچے۔ حضور تو اپنے شرم کی وجہ سے تمہیں اٹھ کر چلے جانے کا حکم نہیں فرمائیں گے اور خاموش رہیں گے لیکن اللہ تعالیٰ تمہیں ایسی باتوں پر خبردار کرنے سے حیا نہیں کرتا جن کا جاننا تمہارے لیے ضروری ہے۔ آیت میں غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ کا فقرہ توجہ طلب ہے۔ اِنٰی کی تحقیق کرتے ہوئے صاحب قاموس لکھتے ہیں: اَنَ الشَّیْءُ یَانِیْ اَیْنًا وَّ اِنَاءً وَ اِنًا فَهُوَ اِنٍ کَغَنِیَ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، جلد 7، صفحہ 367

Marfat.com

حَانَ وَ اَدْرَكَ يَعْنِيْ بَلَغَ غَايَتَهٗ اَوْ نَضْجَهٗ(1)۔یعنی کھانے کے پک کر تیار ہو جانے کو انیٰ کہتے ہیں۔بعض لوگوں کا دستور تھا کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی حجرہ شریفہ سے دھواں اٹھتا دیکھتے تو باہر آ کر اس انتظار میں بیٹھ رہتے کہ ابھی کھانا تیار ہوگا اور ہمیں بھی کھانے کی دعوت دی جائے گی۔بن بلائے مہمان بننے کی ممانعت کی جارہی ہے۔

لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ

اللہ تعالیٰ کسی کا شرم نہیں کرتا حق بیان کرنے میں۔اور جب تم مانگو ان سے کوئی چیز تو مانگو

وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ ؕ وَ مَا كَانَ لَكُمْ

پس پردہ ہو کر۔ ۹۰ یہ طریقہ پاکیزہ تر ہے تمہارے دلوں کے لیے نیز ان کے دلوں کے لیے۔ ۹۱ اور تمہیں یہ

اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ

زیب نہیں دیتا کہ تم اذیت پہنچاؤ اللہ کے رسول کو۔ ۹۲ اور تمہیں اس کی بھی اجازت نہیں کہ تم نکاح کرو ان کی ازواج سے ان کے بعد کبھی۔ ۹۳

اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۝۵۳ اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ

بے شک ایسا کرنا اللہ کے نزدیک گناہ عظیم ہے۔چاہے تم کسی بات کو ظاہر کرو یا اسے چھپاؤ

فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝۵۴ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْۤ اٰبَآئِهِنَّ

یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز سے خوب آگاہ ہے۔کوئی حرج نہیں ان پر اگر ان کے ہاں آئیں انکے باپ،

۹۰ یہاں دوسرا ادب سکھایا جارہا ہے کہ تمہیں حضور کے اہل خانہ سے کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کے پیچھے کھڑے ہو کر مانگو۔اندر گھس آنے کی قطعاً اجازت نہیں۔

۹۱ یہ طریقہ کار تمہارے لیے اور امہات المؤمنین کے لیے قلب کی پاکیزگی کا باعث ہے۔یہاں اس تساہل کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے کہ کبھی استاد کی اہل خانہ اپنے شاگردوں سے پردہ کرنا ضروری نہیں سمجھتیں۔اس آیت سے تنبیہ فرمادی کہ جب مسلمانوں کو ازواج طاہرات کے ہاں گھس آنے کی اجازت نہیں تو اور کون ہے جو اس رخصت کا مستحق ہو؟ شیطان کسی وقت بھی دل

1۔القاموس المحیط، جلد 2، صفحہ 1655

میں فاسد خیال پیدا کر سکتا ہے۔ پردے کا حکم جو تمہیں دیا گیا ہے، اس میں ہرگز تساہل نہ کرو بلکہ سختی سے اس پر عمل کرو۔

۹۲ ارشاد فرمایا کہ تمہیں کسی ایسے کام کے کرنے کی اجازت نہیں جس سے میرے رسول کو تکلیف پہنچے۔ تمہارا فرض ہے کہ ہر ایسے کام سے اجتناب کرو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گرانیٔ طبع کا سبب بن سکتا ہے۔

۹۳ یہاں ایک اور حکم بیان فرمایا کہ حضور کے وصال کے بعد حضور کی ازواج مطہرات سے کسی کو نکاح کرنے کی اجازت نہیں۔ وہ تمہاری مائیں ہیں اور تم پر قطعاً حرام ہیں۔ تم اس چیز کو معمولی بات مت خیال کرو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت ہی بڑا جرم ہے، کبیرہ گناہ ہے۔

وَلَآ اَبْنَآىِٕهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ

ان کے بیٹے ان کے بھائی ان کے بھتیجے اور ان کے

اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآىِٕهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ؕ

بھانجے اسی طرح مسلمان عورتوں اور لونڈیوں کی آمد و رفت پر بھی کوئی پابندی نہیں۔ (اے عورتو!) ڈرا کرو اللہ (کی نافرمانی) سے۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ

بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مشاہدہ فرما رہا ہے۔ ۹۴ بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے

يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا

درود بھیجتے ہیں اس نبی مکرم پر۔ ۹۵ اے ایمان والو! تم بھی آپ پر درود بھیجا کرو اور (بڑے ادب و محبت سے) سلام عرض کیا

۹۴ اس آیت میں ان مردوں کا ذکر کیا گیا جو محرم ہیں اور جن سے پردہ کی ضرورت نہیں۔

۹۵ اسلام کو مٹانے کے لیے کفر کے سارے حربے ناکام ہو چکے تھے۔ مکہ کے بے بس مسلمانوں پر انہوں نے مظالم کے پہاڑ توڑے لیکن ان کے جذبۂ ایمان کو کم نہ کر سکے۔ انہوں نے اپنے وطن، گھر بار، اہل و عیال کو خوشی سے چھوڑنا گوارا کیا، لیکن دامن مصطفٰے علیہ اطیب التحیۃ والثناء کو مضبوطی سے پکڑے رہے۔ کفار نے بڑے کرّ و فر اور شکوہ و طمطراق کے ساتھ مدینہ طیبہ

Marfat.com

پر بار بار یورش کی لیکن انہیں ہر بار ان مٹھی بھر اہلِ ایمان سے شکست کھا کر واپس آنا پڑا۔ اب انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ اقدس واطہر پر طرح طرح کے بیجا الزامات تراشنے شروع کر دیئے تا کہ لوگ رشد وہدایت کی اس نورانی شمع سے نفرت کرنے لگیں اور یوں اسلام کی ترقی رک جائے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر ان کی ان امیدوں کو خاک میں ملا دیا۔ بتایا کہ یہ میرا حبیب اور میرا پیارا رسول وہ ہے جس کی وصف وثنا میں اپنی زبانِ قدرت سے کرتا ہوں اور میرے سارے ان گنت فرشتے اپنی نورانی اور پاکیزہ زبانوں سے اس کی جناب میں ہدیۂ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ تم چند لوگ اگر اس کی شانِ عالی میں ہرزہ سرائی کرتے بھی رہو تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ جس طرح تمہارے پہلے منصوبے خاک میں مل گئے اور تمہاری کوششیں ناکام ہو گئیں اسی طرح اس ناپاک مہم میں بھی تم خائب وخاسر ہو گے۔ اس آیتِ کریمہ کی جلالتِ شان کو زیادہ سے زیادہ سمجھنے کے لیے پہلے اس کے کلماتِ طیبات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ آیتِ کریمہ میں فعلِ صلوٰۃ (درود) کے تین فاعل ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ (۲) فرشتے (۳) اہلِ اسلام۔ جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کی بھری محفل میں اپنے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف وثنا کرتا ہے۔ فَهِيَ مِنْهُ عَزَّوَجَلَّ ثَنَاءُهٗ عَلَيْهِ عِنْدَ الْمَلَائِكَةِ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ عَنْ اَبِي الْعَالِيَةِ(1)۔

علامہ آلوسی اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وَتَعْظِيْمُهٗ تَعَالٰى اِيَّاهُ فِي الدُّنْيَا بِاِعْلَاءِ ذِكْرِهٖ وَاِظْهَارِ دِيْنِهٖ وَاِبْقَاءِ الْعَمَلِ بِشَرِيْعَتِهٖ وَفِي الْاٰخِرَةِ بِتَشْفِيْعِهٖ فِيْ اُمَّتِهٖ وَاِجْزَالِ اَجْرِهٖ وَ مَثُوْبَتِهٖ وَاِبْدَاءِ فَضْلِهٖ لِلْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ بِالْمَقَامِ الْمَحْمُوْدِ وَ تَقْدِيْمِهٖ عَلٰى كَافَّةِ الْمُقَرَّبِيْنَ بِالشُّهُوْدِ(2) (ترجمہ) اللہ تعالیٰ کے درود بھیجنے کا یہ مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کے ذکر کو بلند کر کے، اس کے دین کو غلبہ دے کر اور اس کی شریعت پر عمل برقرار رکھ کے اس دنیا میں حضور کی عزت وشان بڑھاتا ہے اور روزِ محشر امت کے لیے حضور کی شفاعت قبول فرما کر اور حضور کو بہترین اجر وثواب عطا کر کے اور مقامِ محمود پر فائز کرنے کے بعد اولین اور آخرین کے لیے حضور کی بزرگی کو نمایاں کر کے اور تمام مقربین پر حضور کو سبقت بخش کر حضور کی شان کو آشکارا فرمائے گا۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 706 2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جلد 22، صفحہ 76

Marfat.com

اور جب اس کی نسبت ملائکہ کی طرف ہو تو صلوٰۃ کا معنی دعا ہے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے پیارے رسول کے درجات کی بلندی اور مقامات کی رفعت کے لیے دست بدعا ہیں۔ اس جملہ اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ الخ میں اگر آپ غور فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ جملہ اسمیہ ہے۔ لیکن اس کی خبر جملہ فعلیہ ہے۔ تو یہاں دونوں جملے جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اس میں راز یہ ہے کہ جملہ اسمیہ استمرار و دوام پر دلالت کرتا ہے اور فعلیہ تجدد و حدوث کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہر دم، ہر گھڑی اپنے نبی مکرم پر اپنی رحمتیں نازل فرماتا ہے اور آپ کی شان بیان فرماتا ہے۔ اسی طرح اس کے فرشتے بھی اس کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان رہتے ہیں۔ عراقی نے کیا خوب لکھا ہے:

ثنائے زُلف و رخسارِ تو اے ماہ ملائک وردِ صبح و شام کردند

جب اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندے پر ہمیشہ اپنی برکتیں نازل فرماتا رہتا ہے اور اس کے فرشتے اس کی ثناء گستری میں زمزمہ سنج رہتے ہیں اور اس کی رفعتِ شان کے لیے دعائیں مانگتے رہتے ہیں، تو اے اہلِ ایمان! تم بھی میرے محبوب کی رفعتِ شان کے لیے دعا مانگا کرو۔ علامہ ابنِ منظور ''صلوٰۃ'' کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب مومن بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتا ہے: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ فَمَعْنَاہُ عَظِّمْہُ فِی الدُّنْیَا بِاِعْلَاءِ ذِکْرِہٖ وَ اِظْھَارِ دَعْوَتِہٖ وَ اِبْقَاءِ شَرِیْعَتِہٖ وَ فِی الْاٰخِرَۃِ بِتَشْفِیْعِہٖ فِی اُمَّتِہٖ وَتَضْعِیْفِ اَجْرِہٖ وَ مَثُوْبَتِہٖ (1): یعنی اے اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے ذکر کو بلند فرما، اس کے دین کو غلبہ دے اور اس کی شریعت کو باقی رکھ کر اس دنیا میں ان کی شان بلند فرما اور روزِ محشر ان کی شفاعت قبول فرما اور ان کے اجر اور ثواب کو کئی گنا کر دے۔

اگرچہ صلوٰۃ بھیجنے کا ہمیں حکم دیا جا رہا ہے لیکن ہم نہ شانِ رسالت کو کما حقہ جانتے ہیں اور نہ اس کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ اس لیے اعترافِ عجز کرتے ہوئے ہم عرض کرتے ہیں: اَللّٰھُمَّ صَلِّ الخ۔ یعنی مولا کریم تو ہی اپنے محبوب کی شان کو اور قدر و منزلت کو صحیح طور پر جانتا ہے۔ اس لیے تو ہی ہماری طرف سے اپنے محبوب پر درود بھیج جو اس کی شان کے شایاں ہے۔ وَقِیْلَ الْمَعْنٰی لَمَّا اَمَرَنَا اللّٰہُ تَعَالٰی سُبْحَانَہٗ بِالصَّلٰوۃِ عَلَیْہِ وَلَمْ نَبْلُغْ قَدْرَ الْوَاجِبِ مِنْ ذٰلِکَ اَحَلْنَا عَلَی اللّٰہِ وَ قُلْنَا اَللّٰھُمَّ صَلِّ اَنْتَ عَلٰی مُحَمَّدٍ لِاَنَّکَ اَعْلَمُ بِمَا یَلِیْقُ بِہٖ (لسان العرب) (2)

1۔ لسان العرب، جلد 14، صفحہ 466 2۔ ایضاً

Marfat.com

اس آیت میں ہمیں بارگاہِ رسالت میں صلوٰۃ و سلام عرض کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور احادیثِ کثیرہ صحیحہ میں بھی درود شریف کی شان بیان فرمائی گئی ہے۔ چند احادیث تبرّ کاً ذکر کر دیتا ہوں تا کہ آپ کے دل میں بھی اپنے رسولِ مکرم، ہادیٔ اعظم، مُرشدِ اکمل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے کا شوق پیدا ہو۔

۱۔ عَنْ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لِحَاجَۃٍ فَلَمْ یَجِدْ اَحَدًا یَّتْبَعُہٗ فَفَزَعَ عُمَرُ وَ اَتَاہُ بِمُطَھَّرَۃٍ مِّنْ خَلْفِہٖ فَوَجَدَ النَّبِیَّ ﷺ سَاجِدًا فِیْ مَشْرَبَۃٍ فَتَنَحّٰی عَنْہُ مِنْ خَلْفِہٖ حَتّٰی رَفَعَ النَّبِیُّ ﷺ رَأْسَہٗ فَقَالَ اَحْسَنْتَ یَا عُمَرُ حِیْنَ وَجَدْتَّنِیْ سَاجِدًا فَتَنَحَّیْتَ عَنِّیْ اِنَّ جِبْرَئِیْلَ اَتَانِیْ فَقَالَ مَنْ صَلّٰی عَلَیْکَ مِنْ اُمَّتِکَ وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَّ رَفَعَہٗ عَشْرَ دَرَجَاتٍ (1)۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضائے حاجت کے لیے باہر تشریف لے گئے۔ حضور کے ساتھ کوئی اور آدمی نہیں تھا۔ حضرت عمر نے پانی سے بھرا ہوا لوٹا لیا اور پیچھے چل دیئے۔ جب آپ باہر آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک وادی میں سر بسجود پایا اور چپکے سے ایک طرف ہٹ کر پیچھے بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ حضور نے سجدہ سے سر مبارک اٹھایا اور فرمایا: اے عمر! تو نے بہت اچھا کیا کہ جب مجھے سر بسجود دیکھا تو ایک طرف ہٹ کر بیٹھ گیا۔ جبرئیل میرے پاس آئے اور انہوں نے آکر یہ بتایا کہ جو امتی آپ پر ایک مرتبہ درود پاک پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود پڑھے گا اور اس کے دس درجے بلند کر دے گا۔

۲۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ اَبِیْ طَلْحَۃَ عَنْ اَبِیْہِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ جَاءَ ذَاتَ یَوْمٍ وَّ السُّرُوْرُ یُرٰی فِیْ وَجْھِہٖ وَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اِنَّا لَنَرَی السُّرُوْرَ فِیْ وَجْھِکَ وَقَالَ اِنَّہٗ اَتَانِیَ الْمَلَکُ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ اَمَا یُرْضِیْکَ اَنَّ رَبَّکَ عَزَّوَجَلَّ یَقُوْلُ اِنَّہٗ لَایُصَلِّیْ عَلَیْکَ اَحَدٌ مِّنْ اُمَّتِکَ اِلَّا صَلَّیْتُ عَلَیْہِ عَشْرًا وَّلَایُسَلِّمُ عَلَیْکَ اَحَدٌ مِّنْ اُمَّتِکَ اِلَّا سَلَّمْتُ عَلَیْہِ عَشْرًا قُلْتُ بَلٰی (2)۔ (ترجمہ) ایک دن حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ رُخِ انور پر خوشی اور مسرت کے آثار نمایاں

1۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، جلد 3، صفحہ 510-11۔ القول البدیع، صفحہ 158، مطبوعہ مکتبۃ المؤید طائف سعودی عرب
2۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، جلد 3، صفحہ 511
سنن نسائی، کتاب السھو، باب فضل التسلیم علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جلد 1، صفحہ 189

Marfat.com

تھے۔صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آج تو چہرۂ مبارک خوشی سے تاباں ہے۔فرمایا: میرے پاس فرشتہ آیا ہے اوراس نے آکر کہا ہے: اے سراپا حسن وخوبی! کیا آپ اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ آپ کے رب نے فرمایا ہے کہ آپ کا جوامتی آپ پر ایک بار درود پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود پڑھے گا اور آپ کا جوامتی آپ پر ایک بار سلام پڑھے گا، اللہ تعالیٰ دس بار اس پر سلام بھیجے گا۔میں نے جواب دیا ہے کہ میں اپنے مولا کریم کی اس نوازشِ پر از حد خوش ہوں۔

۳۔عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلْيُصَلِّ عَلَيَّ وَ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ مَرَّةً وَّاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ عَشْرًا (1)۔حضرت انس سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے اس پر لازم ہے کہ وہ مجھ پر درود پڑھے اور جو شخص ایک مرتبہ مجھ پر درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود پڑھے گا۔

۴۔عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ الْبَخِيْلُ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ ثُمَّ لَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ (2)۔حضرت عبداللہ حضرت زین العابدین کے فرزند نے اپنے والد بزرگوار سے انہوں نے اپنے والد گرامی سیدنا امام حسین سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بخیل وہ ہے جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے پھر وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔

۵۔عَنْ طُفَيْلِ بْنِ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا ذَهَبَ ثُلُثَا اللَّيْلِ قَامَ وَ قَالَ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اُذْكُرُوا اللّٰهَ۔ اُذْكُرُوا اللّٰهَ۔ جَاءَتِ الرَّاجِفَةُ، تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ۔ جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيْهِ۔ جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيْهِ۔ قَالَ اُبَيٌّ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اُكْثِرُ الصَّلٰوةَ عَلَيْكَ فَكَمْ اَجْعَلُ لَكَ مِنْ صَلَاتِيْ قَالَ مَا شِئْتَ قُلْتُ الرُّبُعَ قَالَ مَا شِئْتَ وَاِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ قُلْتُ فَالنِّصْفَ قَالَ مَا شِئْتَ وَاِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ قُلْتُ فَالثُّلُثَيْنِ قَالَ مَا شِئْتَ وَاِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ قُلْتُ اَجْعَلُ لَكَ صَلَاتِيْ كُلَّهَا قَالَ اِذًا تُكْفٰى هَمَّكَ وَيُغْفَرُ لَكَ ذَنْبُكَ (3)۔

ابی بن کعب کے لڑکے طفیل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں جب رات کے دو حصے گزر جاتے تو حضور اٹھ کھڑے ہوتے اور فرماتے: اے لوگو! اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔

1۔تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، جلد 3، صفحہ 511۔القول البدیع، صفحہ 153

2۔مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 201 3۔جامع ترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ، جلد 2، صفحہ 68

حدیث کے مذکورہ الفاظ بیروت کے نسخہ کے مطابق ہیں دیکھیے سنن ترمذی جلد 4، صفحہ 549، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، جب کہ ہندی نسخہ میں قَالَ اُبَيٌّ قُلْتُ وَاِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ ہے۔

Marfat.com

تھرا دینے والی آ گئی۔ اس کے پیچھے اور آنے والی ہے۔ موت اپنی تلخیوں کے ساتھ آ پہنچی۔ موت اپنی تلخیوں کے ساتھ آ پہنچی۔ میرے باپ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں حضور پر کثرت سے درود پڑھتا ہوں۔ ارشاد فرمایئے کہ میں کس قدر پڑھا کروں۔ فرمایا: جتنا دل چاہے۔ میں نے عرض کیا: کیا وقت کا چوتھائی حصہ؟ فرمایا: جتنا تیرا جی چاہے۔ اگر زیادہ کرے تو افضل ہے۔ میں نے عرض کی: دو تہائی؟ فرمایا: جتنا تیرا جی چاہے۔ اگر زیادہ کرے تو افضل ہے۔ میں نے عرض کی: میں اپنا سارا وقت حضور پر درود شریف پڑھتا رہوں گا۔ فرمایا:

''تب یہ درود تیرے رنج والم کو دور کرنے کے لیے کافی ہے اور تیرے سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے''۔

عَنِ الطُّفَيْلِ بْنِ اُبَيٍّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللهِ۔ أَرَأَيْتَ اِنْ جَعَلْتُ صَلَاتِيْ كُلَّهَا عَلَيْكُمْ قَالَ اِذًا يَّكْفِيْكَ اللهُ مَا اَهَمَّكَ مِنْ دُنْيَاكَ وَاٰخِرَتِكَ(1)۔ طفیل کہتے ہیں، میرے والد نے عرض کی: یارسول اللہ! میں اگر اپنا تمام وقت حضور پر درود پڑھنے میں صرف کردوں۔ حضور نے فرمایا: تب اللہ تعالیٰ تیری دنیا وآخرت کی مشکلیں آسان کردے گا۔

آیت طیبہ اور ان احادیث مبارکہ سے درود شریف کی برکتیں اور فضیلتیں معلوم ہوگئیں۔ ایسا کم فہم اور نادان کون ہوگا جو رحمتوں کے اس خزانے سے اپنی جھولی بھرنے کی کوشش نہ کرے۔ لیکن بعض اوقات اور بعض مقامات ایسے ہیں جہاں درود شریف پڑھنے کی زیادہ فضیلت ہے اور وہاں پڑھنے کی خصوصی تاکید کی گئی ہے۔ ان میں سے بھی چند اہم مقامات اور اوقات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ہر محفل اور مجلس میں درود شریف پڑھنے کی ہدایت

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا وَّلَمْ يَذْكُرُوا اللهَ فِيْهِ وَلَمْ يُصَلُّوْا عَلٰى نَبِيِّهِمْ اِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ تِرَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاِنْ شَاءَ عَذَّبَهُمْ وَاِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُمْ(2)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا جب لوگ کسی مجلس میں

1۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، جلد 3، صفحہ 510۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 136۔

2۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، جلد 3، صفحہ 512۔ جامع ترمذی، ابوب الدعوات، جلد 2، صفحہ 174 جامع ترمذی کی روایت میں يَوْمَ الْقِيَامَةِ نہیں ہے۔ مسند احمد جلد 2، صفحہ 453، مسند احمد میں حدیث عَلَيْهِمْ تِرَةً پر ختم ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

بیٹھتے ہیں اور اس میں نہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور نہ اس کے نبی پر درود پڑھتے ہیں۔ قیامت کے دن وہ مجلس ان کے لیے وبال ہوگی، چاہے تو ان کو عذاب دے اور چاہے تو ان کو بخش دے۔

ہر محفل کے اختتام کے وقت

حضرت ابوسعید سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا جب لوگ بیٹھتے ہیں اور پھر کھڑے ہوتے ہیں اور حضور پر درود نہیں پڑھتے تو قیامت کے دن وہ مجلس ان کے لیے باعثِ حسرت ہوگی اگر وہ جنت میں داخل ہو بھی جائیں تو ثواب سے محرومی کے باعث انہیں ندامت ہوگی (1)۔

اذان کے بعد

حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا کہ جب مؤذن کو تم اذان دیتے ہوئے سنو تو وہی جملے دہراؤ جو وہ کہہ رہا ہے۔ پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جو مجھ پر درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ درود پڑھتا ہے۔ اِذَا سَمِعْتُمُ الْمُوَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا یَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّهٗ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ بِهَا عَشْرًا۔ الخ (2)

مسجد میں داخل ہوتے وقت اور نکلتے وقت

حضرت عبداللہ بن حسن اپنی والدہ ماجدہ فاطمہ بنتِ حسین رضی اللہ عنہا سے اور وہ اپنی دادی صاحبہ حضرت خاتونِ جنت سے روایت کرتی ہیں: قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ صَلّٰی عَلٰی مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَاِذَا خَرَجَ صَلّٰی عَلٰی مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ (3)۔

دعا کرتے وقت

حضرت فاروقِ اعظم سے مروی ہے کہ دعا میں جب تک درود پاک نہ پڑھا جائے وہ قبول نہیں ہوتی اور زمین و آسمان کے درمیان معلق رہتی ہے (4)۔

1۔ شعب الایمان، جلد 2، صفحہ 215، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

2۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، جلد 3، صفحہ 512۔

صحیح مسلم، باب استحباب القول مثل قول المؤذن، جلد 1، صفحہ 166 (صحیح مسلم میں مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلٰوۃً ہے)

3۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، جلد 3، صفحہ 513۔ القول البدایع، صفحہ 266۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 282-83

4۔ جامع ترمذی، باب صفۃ الصلوٰۃ علی النبی ﷺ، جلد 1، صفحہ 64

Marfat.com

نماز کے بعد دعا سے پہلے

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت صدیق اور حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما تشریف فرما تھے۔ جب میں نماز سے فارغ ہوکر بیٹھا تو پہلے میں نے اللہ تعالیٰ کی ثنا کی، پھر میں نے درود پاک پڑھا پھر اپنے لیے دعا مانگنے لگا، تو حضور نے فرمایا: اب مانگ! تجھے دیا جائے گا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كُنْتُ أُصَلِّيْ وَ النَّبِيُّ ﷺ وَ اَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ مَعَهٗ فَلَمَّا جَلَسْتُ بَدَأْتُ بِالثَّنَاءِ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى ثُمَّ بِالصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ دَعَوْتُ لِنَفْسِيْ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ سَلْ تُعْطَهْ (1)۔

امام ترمذی اپنی سنن میں نقل کرتے ہیں:

بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَاعِدٌ اِذْ دَخَلَ رَجُلٌ فَصَلّٰى فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَ ارْحَمْنِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَجِلْتَ اَيُّهَا الْمُصَلِّيْ اِذَا صَلَّيْتَ فَقَعَدْتَّ فَاحْمَدِ اللّٰهَ بِمَا هُوَ اَهْلُهٗ وَ صَلِّ عَلَيَّ ثُمَّ ادْعُهُ قَالَ ثُمَّ صَلّٰى رَجُلٌ آخَرُ بَعْدَ ذٰلِكَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَ صَلّٰى عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ اَيُّهَا الْمُصَلِّيْ اُدْعُ تُجَبْ (ترمذی، ابوداؤد) (2)

ترجمہ: ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے۔ ایک آدمی آیا اُس نے نماز پڑھی اور دعا مانگی: یا اللہ! مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرما۔ حضور نے ارشاد فرمایا: اے نمازی تو نے بڑی جلد بازی سے کام لیا ہے۔ جب نماز پڑھ چکو تو بیٹھو، اللہ کی حمد وثنا کرو اور مجھ پر درود پڑھو، پھر دعا مانگو۔ پھر دوسرا آدمی آیا اُس نے نماز پڑھی اور اللہ کی حمد وثنا کی، پھر حضور پر درود پڑھا۔ حضور نے فرمایا: ''اے نمازی اب دعا مانگ قبول ہوگی''۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہم اہلِ سُنّت نماز کے بعد جو ذکر اور درود شریف پڑھتے ہیں یہ سنت ہے اور قبولیتِ دعا کا باعث ہے۔ نیز اس سے باآوازِ بلند ذکر اور درود شریف پڑھنا ثابت ہوا۔

جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسمِ مبارک لیا جائے تو درود شریف پڑھے۔ جب نامِ گرامی

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صفحہ 87-86 (مشکوٰۃ شریف میں سَلْ تُعْطَهْ دو مرتبہ ہے)
الجامع الترمذی، ابواب الصلوٰۃ باب ما ذکر فی الثناء علی اللہ والصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جلد 1، صفحہ 76
2۔ جامع ترمذی، باب الدعوات، جلد 2، صفحہ 186۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صفحہ 86

Marfat.com

لکھے تو ساتھ درودِ پاک لکھے۔ حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ خلف نے بیان کیا کہ ان کا ایک دوست حدیث کا طالب علم تھا۔ وہ فوت ہو گیا۔ میں نے اُسے خواب میں دیکھا کہ سبز پوشاک پہنے خوش وخرم گھوم رہا ہے۔ میں نے کہا کہ تم تو وہی میرے ہم مکتب نہیں ہو؟ اُس نے کہا: ہاں، میں وہی ہوں۔ میں نے پوچھا یہ کیا حال بنا رکھا ہے؟ اس نے کہا کہ میری یہ عادت تھی کہ جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامِ نامی لکھتا وہاں درود شریف بھی لکھتا۔ فَکَافَانِیْ هٰذَا الَّذِیْ تَرٰی عَلَیَّ۔ یہ جو کچھ تو دیکھ رہا ہے میرے رب نے مجھے اس عمل کا بدلہ دیا ہے(1)۔ حضرت عبداللہ بن حکم کہتے ہیں: میں نے خواب میں حضرت امام شافعی کو دیکھا۔ پوچھا: فرمایئے اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ آپ نے فرمایا:

رَحِمَنِیْ وَ غَفَرَلِیْ وَ زَفَّنِیْ اِلَی الْجَنَّةِ کَمَا تُزَفُّ الْعُرُوْسُ وَنَثَرَ عَلَیَّ کَمَا یُنْثَرُ عَلَی الْعَرُوْسِ۔

''میرے رب نے مجھ پر رحم فرمایا، مجھے بخش دیا، مجھے دلہن کی طرح آراستہ کر کے جنت میں بھیجا گیا اور مجھ پر جنت کے پھول نچھاور کیے گئے جس طرح دلہن پر درہم و دینار نچھاور کیے جاتے ہیں۔'' میں نے اس عزت افزائی کی وجہ پوچھی تو بتایا گیا کہ اپنی کتاب ''الرسالہ'' میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر میں نے جو درود لکھا ہے، اس کا یہ اجر ہے۔ عبداللہ بن حکم کہتے ہیں میں نے امام سے پوچھا۔ وہ خاص درود شریف کیا ہے؟ آپ نے بتایا کہ میں نے وہاں یہ درود شریف لکھا ہے: وَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ مُحَمَّدٍ عَدَدَ مَا ذَکَرَهُ الذَّاکِرُوْنَ وَعَدَدَ مَا غَفَلَ عَنْ ذِکْرِهِ الْغَافِلُوْنَ۔ میں بیدار ہوا اور کتاب الرسالہ کو کھولا تو وہاں بعینہٖ اسی طرح درود شریف لکھا ہوا تھا(2)۔

تَسْلِیْمًا ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی

کرو۔ بیشک جو لوگ ایذا پہنچاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے

الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا ﴿۵۷﴾ وَ الَّذِیْنَ

دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اس نے تیار کر رکھا ہے ان کیلئے رسوا کن عذاب۔ ﴿۵۷﴾ اور جو لوگ

یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ بِغَیْرِ مَا اکْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا

1۔ القول البدیع، صفحہ 356 2۔ ایضاً، صفحہ 358-59

دل دکھاتے ہیں مومن مردوں اور مومن عورتوں کا بغیر اس کے کہ انہوں نے کوئی (معیوب) کام کیا ہو، تو انہوں نے اٹھالیا

بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۸﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ

(اپنے سر پر) بہتان باندھنے اور کھلے گناہ کا بوجھ۔ ۹۷ اے نبی مکرم! آپ فرمایئے اپنی ازواج مطہرات کو، اپنی صاحبزادیوں کو

۹۶ سابقہ آیت میں اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو پیہم رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا رہتا ہے، اس کا ذکر فرمایا۔ اس آیت میں ان لوگوں کی بدبختی اور بدنصیبی کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مکرم کو اپنی بداعمالیوں یا نازیبا اقوال سے اذیت پہنچاتے ہیں۔

۹۷ ساتھ ہی ان لوگوں کو سرزنش کر دی جو اہلِ ایمان مردوں اور عورتوں کو بغیر کسی قصور کے ستایا کرتے ہیں۔ کبھی ان پر جھوٹی تہمتیں لگاتے ہیں، کبھی راہ چلتے ان کی بے عزتی کر دیتے ہیں، کبھی انہیں زدوکوب کرتے ہیں۔ وہ سن لیں کہ وہ بہتان تراشی اور کھلے گناہ کا بوجھ اپنے اوپر لاد رہے ہیں۔ جب عام مسلمانوں کی دلآزاری کا یہ حکم ہے تو جو بدنصیب ازواجِ مطہرات، آل پاک اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی جناب میں گستاخیاں کرتا ہے اور ان کے دلوں کو دکھاتا ہے اس کا انجام کیا ہوگا؟ یہاں ایک حدیث پاک سماعت فرمایئے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَللّٰهَ اللّٰهَ فِیْ اَصْحَابِیْ اَللّٰهَ اللّٰهَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِّنْ بَعْدِیْ فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ وَ مَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ وَ مَنْ اٰذَاهُمْ فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰهَ وَمَنْ اٰذَی اللّٰهَ فَیُوْشِكُ اَنْ یَّاْخُذَهٗ۔ (1)

ترجمہ: اللہ کے رسول نے فرمایا: میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ میرے بعد انہیں طعن و تشنیع کا ہدف نہ بنالینا۔ پس جو شخص ان سے محبت کرتا ہے وہ میری محبت کی وجہ سے ایسا کرتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے تو وہ مجھ سے بغض کے باعث ایسا کرتا ہے۔ جس نے انہیں اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، جلد 7، صفحہ 383
مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 55-54 (مسند احمد میں صرف بَعْدِیْ ہے مِنْ نہیں ہے)

Marfat.com

اذیت دی، اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیّت دی اور جو ایسا کرتا ہے اسے پکڑ لیا جاتا ہے۔ (مظہری)

وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ۭ ذٰلِكَ

اور جملہ اہلِ ایمان کی عورتوں کو کہ (جب وہ باہر نکلیں تو) ڈال لیا کریں اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو۔ ۹۸ اس طرح

۹۸ تمام جاہلی تہذیبوں میں خواہ شرقی ہوں یا غربی، قدیم ہوں یا جدید، عورت کو ایک کھلونا ہی سمجھا جاتا رہا اور سمجھا جاتا ہے۔ ہوسناک نگاہیں اس کا تعاقب کرنے میں ذرا شرم محسوس نہیں کرتیں۔ جب تک عورت اپنے حقوق سے بے خبر اور محروم تھی، اس وقت تک حکماً اسے محفلِ رقص و سرود کی زینت بننے پر مجبور کیا جاتا رہا۔ اور جب اُسے اپنے حقوق سے آگاہی ہوئی تو پُرانے شکاریوں نے اُس کو پھانسنے کے لیے نیا جال بچھا دیا۔ انہوں نے اپنا سارا فلسفہ اور زورِ قلم اس کو یہ باور کرانے میں صرف کر دیا کہ اب تو آزاد ہے تجھے یہ حق پہنچتا ہے کہ تو بَن سنور کر سات سنگھار کر کے گھر سے نکلے۔ اس کے بعد تیرا جی چاہے تو بازاروں اور شاہراہوں پر محوِ خرام رہے، چاہے کسی قہوہ خانے کی آرائش میں اضافہ کرے، چاہے کسی شبینہ کلب میں یا بزمِ عیش و طرب میں اپنے حسن کی نمائش کرے کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ تیری اس آزادی میں روڑا اٹکائے۔ اللہ تعالیٰ جس طرح مردوں کا خالق ہے اسی طرح عورتیں بھی اس کی مخلوق ہیں۔ وہ دونوں سے پیار کرتا ہے اور اسے دونوں کی خیر خواہی مطلوب ہے۔ وہ جس طرح مردوں کو آبرومندانہ اور باوقار زندگی گزارنے کا حکم دیتا ہے۔ اسی طرح وہ عورت کو بھی عِفّت و عصمت اور شرم و حیا کا پیکر بن کر رہنے کی تلقین کرتا ہے۔

مدینہ طیبہ میں یہود و مُشرکین کی کافی تعداد تھی جن کے اوباش نوجوان شرم و حیا کی قدروں سے ناواقف اور فِسق و فُجور کے دلدادہ تھے۔ ان کی دوسری کمینہ حرکات کے علاوہ ایک رذیل عادت یہ بھی تھی کہ جب عورتیں اپنے گھروں سے کسی ضروری کام کے لیے نکلتیں تو وہ ان کا دور تک تعاقب کرتے۔ خصوصاً شام کے دُھندلکے میں جب مستورات قضائے حاجت کے لیے باہر جاتیں تو راستوں پر نشیبی جگہوں پر، درختوں کی اوٹ میں کھڑے ہو جاتے اور جب کوئی عورت ادھر آنکلتی تو اس کو پھانسنے کی کوشش کرتے۔ یہ اُن کے ہاں عام دستور تھا۔ اس کو زیادہ معیوب بھی نہیں سمجھا جاتا

تھا۔ان کے بڑے بوڑھے بھی ایسی حرکتوں کو جوانی کی خرمستیاں کہہ کر ٹال مٹول کر دیا کرتے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یثرب کی سرزمین کو اپنے قدومِ میمنت لزوم سے مشرف کیا اور مسلمان خواتین کو بھی ضروری کاموں کے لیے گھر سے نکلنا پڑتا، تو وہ اوباش یہی رذیل حرکتیں کرتے۔ اگر انہیں ٹوکا جاتا تو وہ کہتے ہم پہچان نہیں سکے کہ یہ مسلم خاتون ہے ورنہ ہماری کیا مجال تھی کہ ہم ایسا کرتے۔ چنانچہ مسلمانوں نے اپنی اس تکلیف کا تذکرہ بارگاہ رسالت میں کیا، تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اے نبی مکرم! آپ اپنی ازواجِ مطہرات، اپنی دُختر انِ پاک نہاد اور ساری مسلمان عورتوں کو یہ حکم دے دیں کہ جب وہ اپنے گھروں سے باہر نکلیں تو ایک بڑی چادر سے اپنے آپ کو اچھی طرح لپیٹ لیا کریں۔ پھر اس کا ایک پلّو اپنے چہرے پر ڈال لیا کریں تا کہ دیکھنے والوں کو پتہ چل جائے کہ یہ مسلمان خاتون ہے۔ اس طرح کسی بد باطن کو تمہیں ستانے کی جرأت نہ ہوگی۔

جلابیب جمع ہے، اس کا واحد جلباب ہے اور جلباب اس بڑی چادر کو کہتے ہیں جو سارے جسم کو ڈھانپ لے۔ اِنَّهُ الثَّوْبُ الَّذِیْ یَسْتُرُ جَمِیْعَ الْبَدَنِ(1)۔ علامہ زمخشری ''یدنین'' کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یُرْخِیْنَهَا عَلَیْهِنَّ وَ یُغْطِیْنَ بِهَا وُجُوْهَهُنَّ وَ اَعْطَافَهُنَّ(2)۔ یعنی اپنی چادروں کو اپنے اوپر ڈال لو، اپنے چہروں اور کندھوں کو چادر سے چھپا لو۔ علامہ زمخشری کے اس قول سے معلوم ہو گیا کہ لغوی طور پر بھی یدنین علیہن کا یہ مفہوم ہے کہ چادر کو اپنے اوپر اس طرح ڈالا جائے کہ سارا جسم ڈھک جائے۔ کندھے اور چہرہ بھی برہنہ نہ رہے۔ علامہ ابوحیان لکھتے ہیں کہ ہمارے ہاں اندلس میں مسلمان خواتین اس طرح پردہ کرتی ہیں کہ سارا چہرہ چھپا ہوا ہوتا ہے۔ صرف ایک آنکھ کھلی ہوتی ہے۔ وَ كَذَا عَادَةُ بِلَادِ الْاَنْدُلَسِ لَا یَظْهَرُ مِنَ الْمَرْاَةِ اِلَّا عَیْنُهَا الْوَاحِدَةُ۔ (بحر)(3)

پردہ کے احکام بالتفصیل آپ سورۂ نور میں پڑھ چکے ہیں۔ یہاں بھی واضح طور پر امہات المومنین اور دختر انِ رسالتمآب کو خصوصاً اور تمام مسلمان عورتوں کو عموماً حکم دے دیا گیا کہ وہ باہر نکلیں تو بڑے وقار اور آبرومندانہ طریقہ سے نکلیں۔ ایک بڑی چادر سے اپنے سارے جسم اور اکثر چہرہ کو ڈھانکا ہوا ہو۔ آج ہمارے معاشرے کا جو حال ہے اور نوجوان عورتوں نے جس طرح

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جلد 14، صفحہ 243
2۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، جلد 3، صفحہ 560
3۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، جلد 7، صفحہ 250

شرم وحیا کی چادر کو اتار کر پھینک دیا ہے۔ ننگے سَر، نیم عُریاں لباس میں جس طرح وہ بن سنور کر بازاروں میں پھرتی اور عام محفلوں میں شرکت کرتی ہیں، انہیں دیکھ کر کون یہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ دخترانِ اسلام ہیں؟ ایک دفعہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کی خدمت میں بنو تمیم قبیلہ کی چند عورتیں حاضر ہوئیں۔ انہوں نے باریک لباس پہنا ہوا تھا۔ انہیں دیکھ کر ام المومنین نے فرمایا: اِنْ كُنْتُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَيْسَ هٰذَا بِلِبَاسِ الْمُؤْمِنَاتِ وَ اِنْ كُنْتُنَّ غَيْرَ مُؤْمِنَاتٍ فَتَمَتَّعْنَ (قرطبی)(1) یعنی اگر تم مومن عورتیں ہو تو سن لو کہ یہ لباس مومن خواتین کا نہیں ہوتا اور اگر تم مومن نہیں ہو تو پھر جو چاہو کرو۔ آخر میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی نہ بھولیے، نِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مَائِلَاتٌ مُمِيْلَاتٌ رُؤُوسَهُنَّ مِثْلَ اَسْنِمَةِ الْبُخْتِ لَايَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَايَجِدْنَ رِيْحَهَا۔ یعنی کئی عورتیں جنہوں نے لباس پہنا ہوتا ہے لیکن وہ ننگی ہوتی ہیں، ناز و ادا سے جھکتی ہیں اور جھکاتی ہیں ان کے سر اس طرح ہیں جس طرح بخت نسل کے اونٹوں کی کوہان۔ یہ عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی اور نہ انہیں اُس کی ہوا لگے گی (2)۔

اب آپ دیکھیے کہ ہماری فیشن پرست لڑکیاں جو لباس پہنتی ہیں کیا وہ اس لباس کے باوجود ننگی نہیں ہوتیں۔ وہ کس طرح مٹک مٹک کر چلتی ہیں اور سروں پر جو انہوں نے مصنوعی جوڑے (WIG) رکھے ہوتے ہیں، کیا وہ اونٹ کی کوہان کی طرح نظر نہیں آتے۔ وہ اپنا انجام دیکھ لیں۔ حضور نے اپنے نورِ نبوت سے چودہ سو سال پہلے ہی آج کی مغربی تہذیب کی دلدادہ عورت کی کس طرح نشاندہی فرما دی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں شرم وحیا عطا فرمائے۔

یہاں حضور کی صاحبزادیوں کا جب ذکر آیا تو قرآن نے بنت ایک صاحبزادی نہیں کہا بلکہ جمع کا لفظ بنات استعمال کیا جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضور کی ایک صاحبزادی نہ تھی بلکہ متعدد صاحبزادیاں تھیں اور شیعہ کی معتبر کتابوں میں بھی اس بات کی تصریح ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے بطن سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ یہاں فقط دو حوالے پیش کرتا ہوں۔ اصولِ کافی، جو اس فرقہ کی معتبر ترین کتاب ہے اس میں لکھتے ہیں:

وَتَزَوَّجَ خَدِيْجَةُ وَ هُوَ ابْنُ بِضْعٍ وَّ عِشْرِيْنَ سَنَةً فَوُلِدَ لَهٗ مِنْهَا قَبْلَ مَبْعَثِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْقَاسِمُ وَ رُقَيَّةُ وَ زَيْنَبُ وَ اُمُّ كُلْثُوْمٍ وَّ وُلِدَ لَهٗ بَعْدَ الْمَبْعَثِ الطَّيِّبُ وَالطَّاهِرُ وَ فَاطِمَةُ عَلَيْهَا

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جلد 14، صفحہ 244 2۔ ایضاً

السَّلَامُ۔(1)

ترجمہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت خدیجہ سے شادی کی جب کہ حضور کی عمر مبارک پچیس سال کے قریب تھی اور حضرت خدیجہ کے بطن سے حضور کی یہ اولاد پیدا ہوئی۔ بعثت سے پہلے قاسم، رقیہ، زینب اور اُمِ کلثوم اور بعثت کے بعد طیّب، طاہر اور فاطمہ علیہا السلام پیدا ہوئیں۔

ان کی دوسری کتاب حیوٰۃ القلوب میں علامہ مجلسی رقمطراز ہیں:

''در قرب الاسناد سند معتبر از حضرت صادق روایت کردہ است کہ از برائے رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم از خدیجہ متولد شدند طاہر و قاسم و فاطمہ وام کلثوم و رقیہ و زینب۔(2)

ترجمہ: قرب الاسناد میں معتبر سند سے حضرت جعفر صادق سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے بطن سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ اولاد پیدا ہوئی: طاہر، قاسم، فاطمہ، ام کلثوم، رقیہ اور زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

ان روشن تصریحات کے باوجود جو لوگ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تین صاحبزادیوں کا انکار کرتے ہیں۔ خاندانِ نبوت سے ان کی بے مہری اور بے مروتی محتاج بیان نہیں۔

اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۵۹

وہ بآسانی پہچان لی جائیں گی پھر انہیں ستایا نہیں جائے گا۔ 99 اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، ہر دم رحم فرمانے والا ہے۔ 100

99 یعنی اگر وہ اس طرح چادر اوڑھ کر چہرہ ڈھانک کر باہر نکلیں گی، تو انہیں دور سے پہچان لیا جائے گا کہ یہ عِفت مآب اور عصمت شعار مومنہ ہے۔ کسی کو جرأت نہیں ہوگی کہ اس کی طرف بری نظر اٹھا کر دیکھ سکے۔ نیز اگر عورت شرم و حیا کا دامن مضبوطی سے پکڑ لے اور بن سنور کر باہر نہ نکلے، اپنے لباس، اپنی چال سے کسی کو دعوتِ نظارہ نہ دے تو کسی کی مجال نہیں ہوتی کہ وہ اس کی طرف ہوسناک نگاہوں سے دیکھے۔ اس جملہ سے اس حقیقت کی طرف اشارہ کر دیا کہ اگر تم اس طرح چادر اوڑھ کر نکلو گی تو تمہارے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کرے گا اور تم ہر قسم کی اذیت سے بچ جاؤ گی۔ اسلام نے پردہ اور شرم و حیا کے جو اصول تمہیں بتائے ہیں، ان پر عمل کرنے سے تمہارا ہی بھلا ہوگا۔

1۔ اصول کافی، جلد 1، صفحہ 365 2۔ حیوٰۃ القلوب، جلد 2، صفحہ 718، مطبوعہ مکتبہ منشی لکھنؤ

Marfat.com

۱۰۰ یعنی اسلام قبول کرنے سے پہلے جو غلطیاں تم سے سرزد ہوئیں یا اب نادانستہ کوئی لغزش ہوگئی، تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ تم توبہ کرو گے وہ توبہ قبول فرمائے گا، تم اظہارِ ندامت کرتے ہوئے حاضر ہوگے تو تمہاری خطائیں بخش دی جائیں گی۔

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ

اگر (اپنی حرکتوں سے) باز نہ آئے منافق اور جن کے دلوں میں بیماری ہے اور شہر میں جھوٹی افواہیں

فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا

اڑانے والے، تو ہم آپ کو مسلط کر دیں گے ان پر پھر وہ نہ ٹھہر سکیں گے آپ کے پاس مدینہ طیبہ میں مگر

قَلِيْلًا ﴿۶۰﴾ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴿۶۱﴾

چند روز ۱۰۱ وہ بھی اس حال میں کہ ان پر لعنت برس رہی ہوگی۔ جہاں پائے جائیں گے پکڑ لیے جائیں گے اور جان سے مار ڈالے جائیں گے۔ ۱۰۲

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ

اللہ کی سنت ان (بدقماشوں) کے متعلق بھی یہی تھی جو پہلے گزر چکے۔ اور آپ سنتِ الٰہی میں ہرگز کوئی تغیّر و تبدل

تَبْدِيْلًا ﴿۶۲﴾ يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ

نہ پائیں گے۔ ۱۰۳ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں۔ فرمایئے: اس کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ

۱۰۱ اگر منافقین مسلمان خواتین کو تنگ کرنے سے باز نہ آئے اور مسلمانوں کے خلاف جھوٹی افواہیں اڑانے والوں نے اپنی زبانیں بند نہ کیں، تو وہ یاد رکھیں انہیں من مانی کرنے کے لیے آزاد نہیں چھوڑا جائے گا۔ بلکہ ہم آپ کو اُن پر غلبہ اور تسلّط عطا فرمائیں گے اور وہ آپ کے فیصلہ کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

اَلْمُرْجِفُوْنَ: ارجاف سے ہے۔ اس کا معنی ہے جھوٹی اور غلط افواہیں پھیلانا۔ اَلْاِرْجَافُ اِشَاعَةُ الْكَذِبِ وَالْبَاطِلِ۔ نُغْرِيَنَّكَ اَیْ نُسَلِّطَنَّكَ عَلَيْهِمْ فَتَسْتَأْصِلُ عَلَيْهِمْ بِالْقَتْلِ (قرطبی) (1)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جلد 14، صفحہ 264

Marfat.com

یعنی ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے اور آپ ان کے قتل کا حکم دے کر انہیں نیست و نابود کر دیں گے۔ قَلِیْلًا ترکیب میں کیا ہے۔ اس کے متعلق دو قول ہیں: پہلا یہ کہ یُجَاوِرُوْنَ میں ھُمْ ضمیر کا حال ہے۔ اس صورت میں معنی ہوگا کہ وہ نہایت قلیل تعداد میں کچھ عرصہ یہاں رہیں گے۔ پھر انہیں قتل کر دیا جائے گا۔ اَیْ لَا یُجَاوِرُوْنَکَ اِلَّا فِیْ حَالِ قِلَّۃٍ۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قَلِیْلًا وقتِ محذوف کی صفت ہے۔ اَنْ یَکُوْنَ الْمَعْنٰی اِلَّا وَقْتًا قَلِیْلًا۔ یعنی وہ بہت قلیل عرصہ مدینہ طیبہ میں رہیں گے۔ اس کے بعد انہیں یہاں سے نکال دیا جائے گا(1)۔

۱۰۲ منافقوں اور بد باطن لوگوں کے لیے اے حبیب! تیرے پڑوس میں کوئی جگہ نہیں۔ یہ چند روز یہاں رہیں گے۔ اس کے بعد انہیں یہاں سے نکال دیا جائے گا۔ جہاں جائیں گے ان پر لعنت اور پھٹکار ہوگی۔ جہاں بھی وہ پائے جائیں گے اپنی بداعمالیوں کی پاداش میں انہیں گرفتار کر لیا جائے گا اور انہیں بڑی رسوائی اور ذلت کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔

۱۰۳ یہ اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ جو لوگ اس کے رسول کے ساتھ منافقانہ رویہ اختیار کرتے ہیں اور مارِ آستین بن کر مسلمانوں کو اذیت پہنچاتے رہتے ہیں، ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک روا رکھا جاتا ہے۔

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق اور فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ایمان کی یہ بھی ایک قطعی دلیل ہے کہ اگر ان کے دل میں نفاق ہوتا یا وہ اسلام کے بدخواہ ہوتے، جس طرح کئی بد باطن کہتے ہیں، تو اس ارشادِ ربانی کے مطابق وہ مدینہ میں نہ ٹھہر سکتے اور ان کے ساتھ وہ سلوک روا رکھا جاتا جو پہلی آیتوں میں مذکور ہے اور حال یہ ہے کہ وہ آج بھی صرف مدینہ طیبہ میں نہیں، بلکہ عرشِ بریں سے بھی زیادہ متبرک اور مقدس گنبدِ خضرا میں اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں اور دامنِ کرم میں تشریف فرما ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ان گنت اور بیشمار رحمتیں اور برکتیں جو اس کے حبیب پر نازل ہو رہی ہیں، اس سے وہ بھی محظوظ ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حق کو یوں آشکارا کرتا ہے، لیکن دل کے اندھے نورِ حق کو پھر بھی نہیں دیکھ سکتے۔

اللّٰہِ ؕ وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِیْبًا ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰہَ

کے پاس ہے۔ ۱۰۴ اور (اے سائل!) تو کیا جانے؟ شاید وہ گھڑی قریب ہی ہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جلد 14، صفحہ 247

Marfat.com

لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَ اَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿۶۴﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ

اپنی رحمت سے محروم کر دیا کفار کو اور تیار کر رکھی ہے اس نے ان کے لیے بھڑکتی آگ۔ وہ ہمیشہ رہیں گے اس میں تا ابد۔

لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ﴿۶۵﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي

نہ پائیں گے کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار۔ جس روز وہ منہ کے بل

النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿۶۶﴾ وَ قَالُوْا

آگ میں پھینکے جائیں گے ۱۰۵ تو (بصد یاس) کہیں گے: اے کاش! ہم نے اطاعت کی ہوتی اللہ تعالیٰ کی اور ہم نے اطاعت کی ہوتی رسولِ اکرم کی۔ اور عرض کریں گے:

۱۰۴ جب انہیں عذابِ جہنم سے ڈرایا جاتا تو وہ ازراہِ مذاق پوچھتے: جناب! ذرا یہ تو فرمایئے وہ قیامت آئے گی کب؟ جس سے آپ ہمیں ڈراتے رہتے ہیں۔ وہ اس لیے نہیں پوچھتے تھے تا کہ وہ توبہ کریں اور اپنے کرتوتوں سے باز آجائیں۔ اس لیے ان کے حسبِ حال جواب دیا گیا۔ (علمِ قیامت کی بحث پہلے گزر رچکی ہے۔)(1)

۱۰۵ جب انہیں آتشِ جہنم میں پھینک دیا جائے گا اور آگ میں جلنے کے باعث ان کے چہرے کی رنگت ہر لحظہ بدلتی رہے گی کبھی زرد کبھی سرخ، کبھی سیاہ۔ هٰذَا التَّقْلِيْبُ تَغْيِيْرُ اَلْوَانِهِمْ بِلَفْحِ النَّارِ فَتَسْوَدُّ مَرَّةً وَ تَخْضَرُّ اُخْرٰى (قرطبی)(2) دیگر حضرات نے اس کا معنی کیا ہے اَیْ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ(3)۔ مونہوں کے بل انہیں آگ میں گھسیٹا جائے گا۔ اسوقت وہ کفِ افسوس ملیں گے، لیکن بیسود۔

رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿۶۷﴾ رَبَّنَآ

اے ہمارے رب! ہم نے پیروی کی اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑے لوگوں کی پس ان (ظالموں نے) ہمیں بہکا دیا سیدھی راہ سے۔ ۱۰۶ اے ہمارے رب!

اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَ الْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿۶۸﴾ يٰۤاَيُّهَا

1۔ دیکھیے تفسیر ضیاء القرآن، سورۂ لقمان، آیت 34 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جلد 14، صفحہ 249
3۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، جلد 6، صفحہ 2862

ان کو دو گنا عذاب دے اور لعنت بھیج ان پر بہت بڑی لعنت۔ ۱۰۷۔ اے
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا
ایمان والو! نہ بن جانا ان (بدبختوں) کی طرح جنہوں نے موسیٰ کو ستایا۔ پس بری کر دیا انہیں اللہ تعالیٰ نے اس سے جو
قَالُوْا ؕ وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴿۶۹﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا
انہوں نے کہا۔ ۱۰۸ اور آپ اللہ کے نزدیک بڑے شان والے تھے۔ ۱۰۹ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو

۱۰۶ معذرت خواہی کرتے ہوئے عرض کریں گے: اے ہمارے رب! اس میں ہمارا اتنا قصور نہیں۔ ہمارے سردار اور پیشوا ہمیں جس راہ پر چلاتے رہے ہم چلتے رہے۔ انہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا۔

۱۰۷ الٰہی! ہم بے قصور ہیں، ہمیں معافی ملنی چاہیے۔ لیکن اگر ہمیں معافی نہیں ملتی، تو ہماری یہ درخواست ضرور قبول ہو کہ ان سرداروں اور سرغنوں کو دو چند عذاب دیا جائے۔ ان ظالموں نے اپنے آپ کو بھی ہلاک کیا اور ہمارا بیڑا بھی غرق کر دیا۔ ان کا دوہرا جرم ہے، انہیں سزا بھی دگنی ملنی چاہیے۔

۱۰۸ بنی اسرائیل اپنے پیغمبر اور اپنے نجات دہندہ موسیٰ علیہ السلام کو بات بات پر دکھ دیتے تھے، قدم قدم پر مخالفت کرتے تھے۔ باوجود اس کے کہ انہیں اپنا رسول مانتے تھے، لیکن ان کے ہر حکم سے سرتابی کرنا ان کی فطرتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ تورات کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے اس جلیل القدر پیغمبر کی دلآزاری کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ یہ داستان بڑی طویل ہے۔ لیکن چند جملے آپ بھی پڑھ لیں۔

بنی اسرائیل مصر میں غلامی اور ذلت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم ربانی کے مطابق مصر سے ہجرت کا حکم دیا۔ چند قدم چلے تو پچھتانے لگے اور اپنے نجات دہندہ اور اللہ تعالیٰ کے کلیم سے یوں گویا ہوئے:

"تب انہوں نے ان سے کہا کہ خداوند ہی دیکھے اور تمہارا انصاف کرے کیونکہ تم نے ہم کو فرعون اور اس کے خادموں کی نگاہ میں ایسا گھناؤنا کیا ہے کہ ہمارے قتل کے لیے ان کے ہاتھ میں

Marfat.com

تلوار دے دی ہے"۔ (خروج باب ۵، آیات ۲۲،۲۱)(1)

انہوں نے سمندر کو بخیر وخوبی عبور کرلیا۔ موسیٰ علیہ السلام کے عصا کی ضرب سے اس کی بپھری ہوئی موجیں سمٹ گئیں۔ ان کے لیے راستے بن گئے۔ یہ ساحل پر بسلامت پہنچ گئے۔ فرعون اوراس کالشکران کی آنکھوں کے سامنے تباہ ہوا۔ ان معجزات کو دیکھنے کے بعد جب سینا میں وہ پہنچے تو اپنے رسول سے یوں خطاب کیا۔

"اور موسیٰ سے کہنے لگے کیا مصر میں قبریں نہ تھیں جوتو ہم کو وہاں سے مرنے کے لیے بیاباں میں لایا۔ تو نے ہم سے یہ کیا کیا کہ ہم کو مصر سے نکال لایا۔ کیا ہم تجھ سے مصر میں یہ بات نہ کہتے تھے کہ ہم کو رہنے دے کہ ہم مصریوں کی خدمت کریں کیونکہ ہمارے لیے مصریوں کی خدمت کرنا بیابان میں مرنے سے بہتر ہوتا۔ (خروج۔ب ۱۴: ۱۲،۱۱)(2)

دشتِ سینا میں جب دھوپ لگی اور پیاس نے تنگ کیا تو یوں گلفشانی کرنے لگے:

"اور اس بیابان میں بنی اسرائیل کی ساری جماعت موسیٰ اور ہارون پر بڑبڑانے لگی اور بنی اسرائیل کہنے لگے: کاش کہ ہم خداوند کے ہاتھ سے ملکِ مصر میں جب ہی مار دیئے جاتے جب ہم گوشت کی ہانڈیوں کے پاس بیٹھ کر دل بھر کر روٹی کھاتے تھے، کیونکہ تم تو ہم کو اس بیابان میں اسی لیے لے آئے ہو کہ سارے مجمع کو بھوکا مارو"۔ (خروج ب ۱۶: ۳،۲)(3)

مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو:

کتاب الخروج ۱۷: ۵،۱

کتاب گنتی ۱۱: ۱ تا ۱۵۔ ۱۴: ۱ تا ۱۰۔ ۱۶ مکمل۔ ۲۰: ۵،۱۔

اے ایمان کا دعویٰ کرنے والو! تم بنی اسرائیل کی روش اختیار کر کے میرے محبوب کی دلآزاری نہ کرنا۔ ورنہ تم کو اس گستاخی کی ایسی سزا ملے گی جس سے نجات کے سارے دروازے بند ہو جائیں گے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہر وہ چیز جس سے نبی کریم کو تکلیف پہنچے، وہ قطعاً ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، اس کی صفاتِ کمال کا انکار کرنا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

1۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ) خروج، باب 5، آیت 22-21، صفحہ 58

2۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ) خروج، باب 14، آیت 12-11، صفحہ 66

3۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ) خروج، باب 16، آیت 3-2، صفحہ 68

Marfat.com

ذاتِ اقدس واطہر پر بہتان باندھنا، اللہ تعالیٰ نے حضور کو جن کمالات سے سرفراز فرمایا ہے ان کا انکار کرنا، حضور کے دین اور شریعت کے قوانین کو نا قابلِ عمل کہنا، حضور کی آلِ اطہار پر معترض ہونا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ پر زبانِ طعن دراز کرنا، یہ سب ایسے امور ہیں جن سے حضور کے قلبِ مبارک کو تکلیف پہنچتی ہے۔ ان تمام امور سے اجتناب ضروری ہے۔

۱۰۹ بنی اسرائیل کے اوباش، موسیٰ علیہ السلام پر اعتراض کیا کرتے تھے اور ان کی عیب جوئی کر کے ان کا دل دکھاتے تھے حالانکہ اللہ رب العالمین کے نزدیک ان کا مقام بہت اونچا اور مرتبہ بہت ہی بلند تھا۔ ''وَجِیْہٌ'' کہتے ہیں بلند مرتبہ۔ اَلْوَجِیْہُ ذُوْجَاہٍ وَّ مَنْزِلَۃٍ (کشاف)(1) اَلْوَجِیْہُ عِنْدَ الْعَرَبِ الْعَظِیْمُ الْقَدْرِ وَ الرَّفِیْعُ الْمَنْزِلَۃِ(2)۔ جس کی شان بہت بڑی ہو، جس کا رتبہ بہت بلند ہو عربی میں اس کو وجیہ کہتے ہیں۔

اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ﴿۷۰﴾ یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ

اور ہمیشہ سچی (اور درست) بات کہا کرو۔ ۱۱۰ تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو درست کر دے گا ۱۱۱ اور تمہارے

ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ﴿۷۱﴾

گناہوں کو بھی بخش دے گا۔ ۱۱۲ اور جو شخص حکم مانتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا تو وہی شخص حاصل کرتا ہے بہت بڑی کامیابی۔ ۱۱۳

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ

ہم نے پیش کی یہ امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے (کہ وہ اس کی ذمہ داری اٹھائیں) تو انہوں نے

اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ

انکار کر دیا اس کے اٹھانے سے اور وہ ڈر گئے اس سے اور اٹھالیا اس کو انسان نے، بے شک یہ

۱۱۰ اے اہلِ ایمان! اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول کا دل دکھانا اور اس کی شان کا انکار کرنا تو بہت بڑا گناہ ہے۔ تمہیں تو تقویٰ اور پارسائی کا شیوہ اختیار کرنا چاہیے اور جب بات کرو تو سچی اور

1۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، جلد 3، صفحہ 563 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جلد 14، صفحہ 252

Marfat.com

درست بات کرو، کوئی جھوٹی بات تمہارے منہ سے نہ نکلے۔

۱۱۱ یعنی اگر تم اپنے عمل میں تقویٰ اور راست روی کو اور اپنے قول میں حق وصداقت کو اپنا شعار بنالو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو ہر کجی سے پاک فرمادے گا اور انہیں شرفِ قبول بخشے گا۔ بعض نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں مزید اعمالِ صالحہ کی توفیق عطا فرمائے گا (1)۔

۱۱۲ اور اس سے پہلے جو لغزشیں تم سے سرزد ہوئی تھیں، وہ سب معاف کردی جائیں گی۔ وہ لوگ جن کے سامنے تم سے گناہ سرزد ہوئے تھے ان کے حافظے سے بھی ان کی یاد مٹ جائے گی، بلکہ فرشتوں نے جو دفترِ عمل تمہارا تیار کر رکھا ہے، وہاں سے بھی تمہارے گناہوں کی تحریر محو کردی جائے گی، انس وملک کی آنکھوں میں تم محترم ومکرم بنادیئے جاؤ گے۔ واقعی اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے پر نظرِ لطف وکرم فرماتا ہے اور اس کے دل کو اپنی یاد اور ذکر کی لذّت سے آشنا کردیتا ہے، تو اس کی کایا ہی پلٹ جاتی ہے اور اس کے چہرہ پر ایک نور برستا ہوا نظر آتا ہے۔ بے ساختہ لوگوں کے دل اس کی طرف کھچے چلے جاتے ہیں۔

۱۱۳ فوزِ عظیم اور فلاحِ دارین کا تاج صرف اس کے سر پر رکھا جاتا ہے جو پیکرِ تسلیم ورضا بن کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ معظم کے ہر ارشاد کے سامنے بصد شوق اور بہ ہزار مسرّت اپنا سرِ نیاز جھکا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی بندگی اور اپنے پیارے حبیب محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فداہُ ابی وامی کی غلامی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ

ظلوم بھی ہے (اور) جہول بھی۔ ۱۱۴ تاکہ عذاب دے اللہ تعالیٰ نفاق کرنے والوں اور نفاق کرنے والیوں کو

۱۱۴ اربابِ لُغت، علمائے شریعت اور عارفین نے اپنی اپنی حدِ فہم اور ذوق کے مطابق اس کی وضاحت کی ہے۔ قرآنِ کریم کے اسرار ومعارف کو آشکارا کرنے میں ان حضرات نے جو مخلصانہ کوششیں کی ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں قبول فرمائے اور ہمیں ان کے ذریعہ سے حق پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

میں یہاں ہر مکتبِ فکر کا نقطہ نظر پیش کرتا ہوں۔ اہلِ لُغت نے لکھا ہے کہ جب کوئی شخص

1۔ تفسیر مظہری، زیرِ آیت ہذا، جلد 7، صفحہ 387

امانت کو واپس کرنے سے انکار کر دے اور اس میں خیانت کرے تو عرب کہتے ہیں: حَمَلَ الْاَمَانَةَ ،یعنی اس نے امانت واپس کرنے سے انکار کیا اور اس کا بوجھ اٹھالیا۔اس آیتِ طیبہ میں حَمَلَ اسی معنی میں مستعمل ہوا ہے۔اس لغوی تحقیق کے پیشِ نظر آیت کا معنی ہوگا: ہم نے آسمانوں زمین اور پہاڑوں پر اس امانت کو پیش فرمایا۔ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا۔تو انہوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کر دیا۔جو حکمِ ربانی ملا، بے چون و چرا اس کی تعمیل میں لگ گئے، سرِ مُو انحراف اور سستی نہیں کی۔ وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا۔ وہ اس بات سے ڈرے کہ کہیں امانت میں خیانت کرنے سے وہ غضبِ الٰہی کا شکار نہ ہو جائیں۔ فَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ۔لیکن انسان نے اس امانت میں خیانت کی اور اس کا بوجھ گردن پر اٹھایا۔ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔ بیشک انسان بڑا ظالم اور نادان ہے۔لسان العرب کی عبارت ملاحظہ فرمایئے: وَ كُلُّ مَنْ خَانَ الْاَمَانَةَ فَقَدْ حَمَلَهَا وَكَذٰلِكَ كُلُّ مَنْ اَثِمَ فَقَدْ حَمَلَ الْاِثْمَ وَ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا یَعْنِی الْاَمَانَةَ وَ اَدَّیْنَهَا وَ اَدَائُهَا طَاعَةُ اللهِ تَعَالٰی فِیْمَا اَمَرَهَا بِهٖ۔ وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ، قَالَ الْحَسَنُ: اَرَادَ الْكَافِرَ وَ الْمُنَافِقَ اَیْ حَمَلَا الْاَمَانَةَ اَیْ خَانَا: وَلَمْ یُطِیْعَا: قَالَ هٰذَا الْمَعْنٰی وَ اللهُ اَعْلَمُ صَحِیْحٌ ۔ وَمَنْ اَطَاعَهٗ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ وَالصِّدِّیْقِیْنَ فَلَا یُقَالُ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا(1)۔

اہلِ لغت کی بیان کردہ تفسیر کے بعد اب علمائے شریعت کا نقطۂ نظر ملاحظہ فرمایئے۔ان کے نزدیک امانت سے مراد تکلیفاتِ شرعیہ ہیں۔جن میں عبادات، اخلاقیات اور ہر قسم کے قوانین داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کو فرمایا کہ ہم تمہیں اختیار اور ارادہ کی آزادی دیتے ہیں، کیا تم اس اختیار و آزادی کے ساتھ اس امانت کا بار اٹھانے کے لیے تیار ہو؟ انہوں نے اعترافِ عجز کرتے ہوئے معذرت خواہی کر دی اور اپنی بے بسی کا اقرار کیا۔ یہ بوجھ بہت گراں ہے، ہم اسے اٹھانے سے قاصر ہیں، ہمیں اطاعت کے ثواب کی امید سے عصیان و نافرمانی کے عذاب کا اندیشہ زیادہ ہے۔ہم تیرے مسخر اور پابند حکم رہ کر تیرے ہر ارشاد کی تعمیل کریں گے۔اختیار و ارادہ کی آزادی میں جو خطرات پنہاں ہیں، ان کو برداشت کرنے کی طاقت ہم اپنے اندر نہیں پاتے۔ اب یہی چیز جب انسان کے سامنے پیش کی گئی، تو اس نے اپنی ناتوانیوں اور کمزوریوں کو پس پُشت ڈالتے ہوئے اس امانت کو اٹھانے کی حامی بھر لی اور اس

1۔لسان العرب، جلد 11، صفحہ 175

بارِ گراں کو اٹھا کر اپنے آپ کو ابتلاء و آزمائش میں مبتلا کر دیا اور اس نے کسی عقلمندی کا ثبوت نہیں دیا۔ اس سے انسان کی مذمت مقصود نہیں (1)، بلکہ بیانِ واقع کے طور پر اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا فرمایا۔ حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ نے بڑی پیاری بات فرمائی۔

''شیخ جنید فرمود کہ نظرِ آدم بر عرض حق بود نہ بر امانت، لذتِ عرض، ثقلِ امانت را بر و فراموش گردانید لا جرم لطفِ ربانی بزبان عنایت فرمود کہ برداشتن از تو، و نگاہ داشتن از من''۔ (روح البیان)(2)

یعنی اللہ تعالیٰ نے جب یہ امانت حضرت آدم پر پیش کی تو آپ کی نظر اس وقت امانت اور ثقل پر نہ تھی، بلکہ امانت پیش کرنے والے پر تھی۔ اور اس کے پیش فرمانے میں جو لذت و سرور تھا، اس نے امانت کی گرانی کو نظروں سے اوجھل کر دیا۔ جنید فرماتے ہیں یقیناً لُطفِ ربانی نے آدم کی اس نیازمندی اور ہمّت سے خوش ہو کر فرمایا کہ اے آدم! اٹھانا تیرا کام ہے اور اٹھانے کی توفیق دینا اور تیری حفاظت کرنا میرا کام ہے۔

اب صوفیائے کرام کا مسلک ملاحظہ فرمایئے۔ اس کی ترجمانی کا حق حضرت علامہ پانی پتی نے ادا کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ آیت کا سیاق اس بات کا مقتضی ہے کہ یہاں جو امانت مذکور ہے۔ اس سے وہ امانت مراد ہے جسے صرف انسان اٹھا سکتا ہے اور کوئی مخلوق اسے اٹھانے کی ہمت نہیں رکھتی۔ اگر اس امانت سے مراد احکامِ شرعی ہوں تو انسان کی خصوصیت نہیں بلکہ جن اور ملائکہ بھی مکلّف ہیں۔ اس طرح ملائکہ کی افضلیّت۔ انسان پر لازم آئے گی، کیونکہ ان کی شان تو یہ ہے: يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ (سورۂ انبیاء:20) وہ دن رات تسبیح میں مصروف رہتے ہیں اور ذرا نہیں تھکتے، اور انسان کی یہ حالت نہیں۔ اس لیے صوفیائے کرام نے امانت کی تفسیر نورِ العقل اور نارِ العشق سے کی ہے۔ یعنی نورِ عقل استدلال کے ذریعے معرفتِ الٰہی حاصل کرتا ہے اور عشق کی آگ حجابات کو جلا کر معرفتِ الٰہی تک پہنچاتی ہے۔ وَمِنْ ثَمَّ قَالَتِ الصُّوْفِيَةُ الْعَلِيَّةُ الْمُرَادُ بِالْاَمَانَةِ نُوْرُ الْعَقْلِ وَ نَارُ الْعِشْقِ وَنُوْرُ الْعَقْلِ يُحْصَلُ بِهٖ مَعْرِفَةُ اللهِ تَعَالٰى بِالْاِسْتِدْلَالِ وَنَارُ الْعِشْقِ يُحْصَلُ بِهَا مَعْرِفَةُ اللهِ تَعَالٰى سُبْحَانَهٗ بِحَرْقِ الْحُجُبِ۔

1۔ روح البیان، زیرِ آیت ہذا، جلد 7، صفحہ 52-249 (مفہوم) 2۔ ایضاً، جلد 7، صفحہ 253

Marfat.com

بیشک فرشتے بھی اس کے مکرّم بندے ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک کے لیے ایک مخصوص مقام ہے جس سے آگے وہ تجاوز نہیں کرسکتا اور سوزِ عشق کے باعث غیر متناہی درجات تک ترقی کرتے جانا یہ حضرتِ انسان کی خصوصیّت ہے۔ فَالتَّرَقِّیُ اِلَی الْمَرَاتِبِ الْغَیْرِ الْمُتَنَاهِیَةِ بِنَارِ الْعِشْقِ اِنَّمَا هُوَ مِنْ خَصَائِصِ الْاِنْسَانِ۔

اس کے بعد علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات سے جو نتیجہ میں نے اخذ کیا ہے وہ یہ ہے کہ امانت سے مراد وہ استعداد ہے جو اللہ تعالیٰ نے ماہیتِ انسانیہ میں ودیعت کی ہے جو تجلّیاتِ ذاتیہ دائمہ کو قبول کرتی رہتی ہے۔ صالح جن بھی عبادت و ریاضت سے ملائکہ کی صفت میں شامل ہوجاتے ہیں، پھر بھی ان کے حصہ میں تجلیاتِ صفاتی آتی ہیں، تجلیاتِ ذاتیہ کی اہلیت نہیں ہوتی۔

آخر میں علامہ موصوف ظَلُوْمًا جَهُوْلًا کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انسان میں دو قوتیں ہیں۔ ایک سبعیہ اور دوسری بہیمیہ۔ سبعی قوتوں سے اس کے دل میں تفوق اور برتری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جس سے وہ معرفت کی اونچی سے اونچی چوٹیوں کو سر کرتا ہے اور بہیمی طاقتوں کے باعث اس میں جفاکشی اور مشقت جھیلنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جس کے باعث وہ طویل ریاضتوں اور مشکل عبادتوں کا بوجھ صبر و تحمل سے برداشت کرتا ہوا منزلِ محبوب کی طرف بڑھا چلا جاتا ہے۔ اگر یہ دو قوتیں انسان میں نہ ہوتیں تو وہ بھی ساحلِ عافیت پر خیمہ زن رہتا اور کبھی آزمائش کے تند و تیز طوفانوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے تیار نہ ہوتا(1)۔

مولانا جامیؒ نے بھی ظَلُوْمًا جَهُوْلًا کا معنی خوب کیا ہے ؎

غیر انساں کش نکرد قبول زانکہ انسان ظلوم بود و جہول
(انسان کے بغیر اس امانت کو کسی نے قبول نہ کیا، کیونکہ انسان ظلوم اور جہول تھا)

ظلم او آں کہ ہستیٔ خود را ساخت فانی بقائے سرمد را
(اس کا ظلم یہ تھا کہ اس نے اپنی ہستی کو فنا کردیا تاکہ بقائے سرمدی حاصل کرے)

جہل او آں کہ ہرچہ جز حق بود صورت آں ز لوح دل نزدد
(اور اس کی جہالت یہ ہے کہ حق کے بغیر جو کچھ تھا اس نے اپنے دل کی لوح سے مٹادیا)

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، جلد 7، صفحہ 390

Marfat.com

نیک ظلمے کہ عین معدلت است نغز جہلے کہ مغزے معرفت است

(وہ ظلم بہت اچھا ہے جو عین عدل ہے اور وہ جہالت بہت عمدہ ہے جو معرفت کا مغز ہے)(1)

(روح البیان)

یہاں ان صفاتِ ظلوم وجہول کے ذکر کرنے سے دو فائدے حاصل ہوئے، ایک تو اس علّت کا پتہ چل گیا جس کی وجہ سے انسان اس بار امانت کو اٹھانے کے لیے آمادہ ہوا، اور دوسرا اس پیکرِ خاکی کی منقبت اور توصیف کر دی گئی کہ یہ ان صفاتِ عالیہ سے متصف ہے۔ فَهُوَ تَعْلِيْلٌ وَّ مَنْقَبَةٌ لَّهٗ(2)۔ اَللّٰهُ تَعَالٰى وَ رَسُوْلُهٗ اَلْاَكْرَمُ اَعْلَمُ بِاَسْرَارِ الْقُرْاٰنِ الْكَرِيْمِ۔

وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ

شرک کرنے والوں اور شرک کرنے والیوں کو اور نگاہِ لطف و کرم فرمائے اللہ تعالیٰ ایمان والوں اور ایمان والیوں پر ۱۱۵

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۳﴾

اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، ہر دم رحم فرمانے والا ہے۔ ۱۱۶

۱۱۵ یہ لام عاقبت ہے یعنی اس امانت کو اٹھانے کا انجام یہ ہوا کہ جن مردوں اور عورتوں نے منافقانہ روش اختیار کی یا جن مردوں یا عورتوں نے کھلم کھلا شرک کیا وہ تو عذابِ جہیم کے مستحق ٹھہرے اور جن مردوں اور عورتوں نے ایمان قبول کیا ان پر اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم کی نگاہ فرمائی اور اس مشکل مرحلہ کو ان کے لیے آسان کر دیا۔ یہاں يَتُوْبَ اللّٰهُ کا معنی توبہ قبول کرنا نہیں بلکہ لطف و کرم سے متوجہ ہونا ہے۔ اَیْ يَرْجِعَ بِالرَّحْمَةِ وَالْمَغْفِرَةِ وَالْجَذْبِ وَالْاِجْتِبَاءِ وَاِعْطَاءِ مَرَاتِبِ الْقُرْبِ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت، مغفرت، کشش، اجتبا، اور قرب کے مراتبِ عالیہ عطا کر کے ان پر نگاہِ کرم فرماتا ہے۔ (مظہری)(3)

آیت میں مومنین اور مومنات سے مراد وہ لوگ ہیں جو امانت کو ادا کرتے ہیں اور تجلیات میں مستغرق رہتے ہیں اَلْمُؤَدِّيْنَ لِلْاَمَانَاتِ الْمُسْتَغْرِقِيْنَ فِي التَّجَلِّيَاتِ۔ (مظہری)(4)

۱۱۶ اس کے بندوں سے جو لغزشیں صادر ہوتی ہیں ان کو وہ معاف فرما دیتا ہے اور جو نیکی کا

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، جلد 7، صفحہ 255
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، جلد 7، صفحہ 390
3۔ ایضاً، جلد 7، صفحہ 391
4۔ ایضاً، جلد 7، صفحہ 392

Marfat.com

کام ان سے سرزد ہوتا ہے، اس کو محض اپنی رحمت کے طفیل منزل تک رسائی کا ذریعہ بنا دیتا ہے۔ ورنہ کہاں وہ بارگاہِ ناز اور کہاں یہ پیکرِ عجز و نیاز۔ رب کریم کی انہی دو صفتوں غفور اور رحیم کے صدقے سالکِ راہِ محبت ٹھوکریں کھاتا افتاں و خیزاں آگے بڑھتا چلا جاتا ہے اور آخر کار وصالِ حبیب سے شاد کام ہوتا ہے۔

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصَّالِحِیْنَ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِكَ الْمُرْتَضٰی وَعَبْدِكَ الْمُصْطَفٰی مِنَ الصَّلٰوتِ اَطْیَبِھَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَزْکَاھَا وَمِنَ التَّحِیَّاتِ اَسْنَاھَا وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَاَوْلِیَاءِ اُمَّتِهٖ وَعُلَمَاءِ مِلَّتِهٖ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔

محمد کرم شاہ

۶ رجب ۱۳۹۱ھ، ۲۹ اگست ۱۹۷۱ء

Marfat.com

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی ○ پاکستان

Marfat.com